هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله

لا اله الا الله محمد رسول الله

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

یعنی

اردو رسالہ

ریویو آف ریلیجنز

قادیان سے ہر انگریزی ماہ کی پانچ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

نمبر ۷ — ۵ جولائی ۱۹۳۷ء — ایڈیٹر قاضی محمد ظہور الدین اکمل — ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ — جلد ۳۶

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مصنف
شذرات	۱۹۵ / ۱۹۹	شبلی بی کام
مسلمان خواتین عرب کی شجاعت	۱۹۹ / ۲۰۴	ملک نذیر احمد صاحب ریاض
الجہاد فی الاسلام نمبر (۳)	۲۰۵ / ۲۲۱	مولانا "ابن عمر"
معجزات یسوع کی حقیقت	۲۲۲ / ۲۳۶	مولانا محمد صادق صاحب چغتائی مبلغ سماٹرا

اندرون ہند سے تین روپیہ سالانہ — مصدقہ طلبا اور غیر احمدیوں سے ۲؍۸ — بیرون ہند سے تین روپیہ آٹھ آنے

وصایا

۴۸۲۹ منکہ خوشحالی ولد جیونہ قوم گھمار پیشہ بیکاری (بوجہ نابینا ہونیکے) عمرہ ۴۰ سال تاریخ بیعت ۲ رجنوری سنہ ۱۹۲۹ء ساکن کھنہ ڈاکخانہ مریدکے ضلع شیخوپورہ بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۸-۴-۳۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میرے پاس اسوقت دوصد روپیہ جمع ہے اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اور کوئی جائیداد مکان وغیرہ میری نہیں ہے۔ اگر کوئی جائیداد میرے مرنے کے بعد ثابت ہو تو اسکے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد خوشحالی نشان انگوٹھہ حال مقیم قادیان مہمانخانہ
گواہ شد اللہ دتہ احمدی بقلم خود۔ گواہ شد عبد الخالق مہتمم مہمانخانہ بقلم خود

نمبر ۴۸۳۰ منکہ مالی ولد جیونہ قوم گھمار پیشہ بیکاری بوجہ نابینا عمرہ ۴۰ سال تاریخ بیعت ۲ رجنوری سنہ ۱۹۲۹ء ساکن کھنہ ڈاکخانہ مریدکے ضلع شیخوپورہ بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۸-۴-۳۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میرے پاس اسوقت مبلغ دوصد روپیہ جمع ہے اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں اور کوئی جائیداد مکان وغیرہ نہیں ہے۔ اگر کوئی جائیداد میرے مرنے کے بعد ثابت ہو تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد مالی نشان انگوٹھہ حال وارد قادیان مہمانخانہ
گواہ شد اللہ دتہ احمدی بقلم خود۔ گواہ شد عبد الخالق مہتمم مہمانخانہ بقلم خود

نمبر ۴۸۲۷ منکہ عصمت اللہ ولد علی محمد قوم ارائیں پیشہ ملازمت عمر ۳۰ سال تاریخ بیعت سنہ ۱۹۲۷ء ساکن برجیاں خورد ڈاکخانہ برجیاں کلاں ضلع جالندھر بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۱-۶-۳۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔
میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں ہے۔ اس وقت میری ماہوار آمد ۱۹/- روپے ہے میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میرے مرنے کے وقت جسقدر جائیداد میری ثابت ہو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد عصمت اللہ پٹواری نہر بقلم خود بمقام چکیانہ ڈاکخانہ خاص تحصیل پاکپٹن ضلع منٹگمری۔ گواہ شد غلام احمد خاں ایڈوکیٹ امیر جماعت احمدیہ پاکپٹن۔ گواہ شد حشمت علی پٹواری نہر حلقہ کلیانہ ڈاکخانہ خاص تحصیل پاکپٹن ضلع منٹگمری۔ گواہ شد چھجو خاں پنشنر امیر جماعت احمدیہ سڑوعہ حال وارد پاکپٹن *

المبشر کا شبلی نمبر سو صفحہ حجم پر نہایت مفید، دلچسپ واعلیٰ مضامین کا مجموعہ شائع ہوا ہے ڈیڑھ روپے سالانہ پر یہ رسالہ ماہواری اپنے نام جاری کرا کے دیکھیں۔ مفصل ریویو آئندہ
پتہ المبشر قادیان *

اُردو ریویو کے وی پی جن احباب نے اس سال کا چندہ ادا نہیں کیا وہ مہربانی فرماکر بذریعہ منی آرڈر بھجوا کر دفتر کی امداد فرمائیں ورنہ اگلے رسالہ میں فہرست اسماء شائع کرکے پھر وی پی ہونگے *
(مینجر ریویو اردو۔ قادیان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

شذرات

دُنیا کے مختلف حصص میں تبلیغ احمدیت

ایک طرف جبکہ دُنیا عالمگیر واقعات و حوادث سے بیچین و مضطرب ہو رہی ہے۔ دوسری طرف جماعت احمدیہ کے مبلغین نہایت خاموشی سے مختلف ممالک میں تبلیغ کے کام میں مصروف ہیں اور وہاں احمدیت کا بیج بو رہے ہیں۔ جو رپورٹیں اُن کی مرکز میں آتی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اِن کارکنانِ احمدیت پر خاص فضل و کرم نازل کر رہا ہے۔ اور اُن کی بے لوث سعیات بارآور ہو رہی ہیں ؂

ہمارے ایک بھائی مولوی رمضان علی صاحب مولوی فاضل ارجنٹائن (جنوبی امریکہ) میں گئے ہیں اور ایک سال کے کم عرصہ میں وہاں کافی رسوخ قائم کرلیا ہے۔ گذشتہ عید الفطر کے موقع پر وہاں کی عرب آبادی نے آپ کی زیر قیادت نماز پڑھی اور آپ کے فصیح و بلیغ عربی زبان کے خطبہ کو نہایت توجہ و انہماک سے سُنا۔ انہوں نے آپ کو چندہ بھی دیا جو آپ نے مرکز میں بھجوا دیا۔ اب آپ ہسپانوی زبان سیکھنے میں مصروف ہیں تاکہ جنوبی امریکہ کے باشندوں کو اُن کی اپنی زبان میں پیغام احمدیت پہنچائیں ؂

صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی ایم۔ اے ریاستہائے متحدہ امریکہ میں کام کر رہے ہیں اور آپکی تازہ ترین رپورٹ مظہر ہے کہ شکاگو میں گیارہ نئے افراد حلقہ بگوش احمدیت ہوئے ہیں ؂

ہمارے مغربی افریقہ کے مبلغین بھی جن کو لارڈ ہیلی نے اپنے دورہ افریقہ کے دوران میں شرف ملاقات بخشا تھا۔ تاریک براعظم میں نور احمدیت پھیلانے میں مصروف ہیں۔ تازہ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں چوبیس افراد احمدی ہوئے ہیں (فَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ)

ہمارے بھائی ملک محمد شریف بی۔ اے جو گذشتہ دسمبر روما میں بغرض تبلیغ داخل ہوئے کئی نئے احمدی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں ؂

ہمارے بھائی چوہدری حاجی احمد خاں صاحب ایاز بی۔اے۔ایل ایل۔بی نے جنہوں نے ایک سال سے زائد عرصہ تک ہنگری میں کام کیا ہے خدا کے فضل سے وہاں ایک سو بیس پرجوش اور مخلص احمدیوں کی جماعت قائم کردی ہے۔اب آپکی جگہ مولوی محمد ابراہیم ناصر بی۔اے انچارج مقرر ہوئے ہیں اور آپ پولینڈ تشریف لے گئے ہیں۔خدا تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو (ایاز صاحب کی تازہ رپورٹ مظہر ہے کہ پولینڈ میں وہ احمدیت کا بیج بونے میں کامیاب ہوگئے ہیں اور ایک معزز فرد پروفیسر اختر حلقہ بگوش احمدیت ہوا ہے۔آپ وہاں کی زبان سیکھ رہے ہیں تاکہ کام میں سہولت ہو)

ہمارے ایک بھائی مولوی محمد دین صاحب مولوی فاضل زیکوسلوواکیا میں چند ہی ماہ میں چار اشخاص کو بیعت کروانے میں کامیاب ہوچکے ہیں ؎

مولوی محمد سلیم صاحب مولوی فاضل فلسطین کے مبلغ ہیں اور آپنے چھ نئے اشخاص کے احمدی ہونے کی خوشخبری سنائی ہے ؎

مولوی مبارک احمد صاحب مولوی فاضل نے جو مشرقی برطانوی افریقہ میں کام کر رہے ہیں نہ صرف کئی اشخاص کو احمدی کیا ہے بلکہ تبورا میں ایک اسلامیہ سکول بھی قائم کیا ہے ؎

جس طرح ہمارے مشن یورپ۔افریقہ اور امریکہ میں ہیں۔اسی طرح ہمارے تبلیغی مراکز ایشیا کے مختلف حصص اور جاوا۔سماٹرا۔ہانگ کانگ اور جاپان ایسے دُور دراز جزائر میں بھی قائم ہوچکے ہیں۔

ہمارے دو بھائیوں نے جو سنگاپور میں کام کر رہے ہیں گذشتہ فروری میں سات نئے افراد داخل احمدیت کئے ؎

کوبے میں ہمارے تبلیغی مرکز کو ایک اور نوجوان مولوی عبدالغفور صاحب مولوی کے ذریعہ سے جن کو حال ہی میں مرکز سے بھجوایا گیا تھا مستحکم بنایا گیا ہے ؎

قارئین کو یہ پڑھ کر دلچسپی ہوگی کہ یہ تمام مجاہدین جو دُنیا کے مختلف حصص میں اسلام کی نصرت و حمایت کے لئے کام کر رہے ہیں بالکل نوجوان ہیں اور اُنہوں نے خود اِس مقدس خدمت کے لئے اپنے آپکو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے حضور پیش کیا اور ان سب کو قادیان میں ہی تعلیم و تربیت دی گئی تھی ؎

ہم امید کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اِن مخلصین مجاہدین اور دیگر تمام کارکنان کی جو بعد میں اِن کے ساتھ شامل ہونگے کوششوں کو ضرور بارآور کریگا اور جو بیج وہ بو رہے ہیں وہ ترقی کرتے کرتے عظیم الشان درختوں کی صورت اختیار کر جائیں گے۔اور یہ درخت تمام دُنیا پر چھا جائیں گے۔اور اُن میں پھل پیدا

ہوگا اور اُن کی سبز ٹہنیوں میں مختلف آب وہوا کے پرندے آکر آرام پائیں گے اور اُن کے سایوں میں مختلف ممالک کے تھکے ماندے مسافر بیٹھ کر سستائیں گے۔ اللّٰھم آمین (مسلم ٹائمز)

رُوحانی قیادت

کچھ عرصہ ہُوا "سلطنت کی فرقہ داریاں"، پرمسٹر بالڈون نے اپنی تقریر براڈ کاسٹ کرتے ہوئے کہا تھا:۔

"جب ہم اپنے گرد نظر ڈالتے ہیں اور دُنیا کی حالت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہمیں ہرطرف تشکیک اور سراسیمی کا سماں نظر آتا ہے کوئی ملک نہیں جس کو مشکلات کا سامنا نہ ہو۔ یا جس کو کچھ خطرات درپیش نہ ہوں۔ مَیں متشائم نہیں ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ بالآخر ملل عالم کو امن و امان اور خوشحالی نصیب ہوگی۔ لیکن یہ سفر طویل اور مشقت طلب ہے۔ اس سفر کے لئے مشترکہ کوشش، صبر، عزم، اور سب سے زیادہ صحیح قیادت کی ضرورت ہے۔

"مَیں سمجھتا ہوں دُنیا کے اکثر مصائب کی وجہ وہ روزافزوں مادیت ہے جس میں ہم پرورش پا رہے ہیں۔ سائنس نے اسقدر ترقی کی ہے اور اسقدر مادی خوشحالی اور علم پیدا کیا ہے کہ جیسا کہ مَیں نے ایک دفعہ کہا تھا ہم محض "ترقی" کو "تہذیب" کے مُرادف سمجھنے لگ پڑے ہیں۔ اعلیٰ محاسن کی جگہ ادنیٰ محاسن نے اور روحانیت کی جگہ مادیت نے لے لی ہے۔ مادیت کے معنے غلامی کے ہیں، جسم کی لذت کے لئے دماغ کی غلامی اور بالآخر یہ غلامی تباہی پر منتج ہوتی ہے۔"

(سابق) وزیر اعظم کا اصرار ہے کہ "سلطنت برطانیہ کے سوا کوئی ملک یا مجموعۂ ملک قیادت کرنے کا اہل نہیں ہے۔"

ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اس لئے نہیں کہ "قائدین سلطنت ایک جگہ اکٹھے ہونگے اور کانفرنس کرکے کسی معاہدہ پر پہنچیں گے۔" یا جیسا کہ وزیر اعظم کا خیال ہے۔ "برطانوی لوگوں کا مطمح نظر ہی آزادی ہے۔" بلکہ اس لئے کہ سلطنتِ برطانیہ کی خوش قسمتی سے اسکے اندر زمانہ کا سب سے بڑا روحانی مصلح اور قائد موجود ہے۔

اوّل تو مکمّل "امن و امان"، میں بھی "بحث مباحثہ"، سے مشکلات پیدا ہونگی۔ پھر مدبّرین اس کے قائل بھی نہیں ہیں۔ چنانچہ پروفیسر گلبرٹ مرّے نے ایک دفعہ "ٹائمز"، میں لکھا تھا:۔

"مطلق امن و امان کا علمی نقطہ نظر سے خیال بھی نہ کرنا چاہیئے۔"

پھر ہمیں ایسے لوگ بھی تلاش کرنا پڑینگے جو "آزادی" کے حامی نہ ہوں۔ یہ جذبہ تو ہر قوم میں پایا جاتا ہے۔ پس یہ دلائل کچھ ایسے قوی نہیں ہیں کہ اِن کی رُو سے برطانیہ کی رُوحانی قیادت کا جواز ثابت ہو سکے۔

مزید برآں سلطنت برطانیہ اُن قوتوں سے آزاد نہیں ہے جس کا نتیجہ مادیت ہوتا ہے حق یہ ہے کہ مادیت مغرب پر حاوی ہے اور یہاں ہر کوئی مشین کا ایک پُرزہ نظر آتا ہے۔ محض "ترقی" کو "تہذیب" کے مترادف سمجھنا غلطی ہے۔ پس اگرچہ ہم مسٹر بالڈون کے نتیجہ سے متفق ہیں لیکن ہم اُن کی دلیل کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

روحانی قیادت تو اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے اور یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو سلطنت برطانیہ کے ایک شہری تھے نازل کیا گیا ہے۔ آپ جیسا کہ ساری دنیا کے لئے ایک رحمت تھے ویسا ہی سلطنت برطانیہ کے لئے بھی تھے۔ پس سلطنت کو چاہیئے کہ بجائے کسی اور چیز پر فخر کرنے کے آپ کے وجود پر فخر کریں * (مسلم ٹائمز)

مسیحی قوانین طلاق

ایک وقت تھا جب اسلامی قوانینِ طلاق کے خلاف عیسائی مصنفین زہر اُگلا کرتے تھے۔ اِس طرح سے اگرچہ اُن کو دوسروں کی آنکھ کا تنکا نظر آجاتا تھا لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن اب آہستہ آہستہ اسلامی تعلیمات کی حکمت اُن پر واضح ہو رہی ہے اور اُن کو محسوس ہو رہا ہے کہ مغربی ہیئتِ اجتماعی میں کئی رِستے ہوئے ناسور ہیں۔ حال ہی میں مسٹر جسٹس سوفٹ TUSTIC E SNIFT نے عیسائیوں کے قوانین طلاق پر شدید نکتہ چینی کی ہے جو ناظرین کی دلچسپی کے لئے درج ذیل کی جاتی ہے۔ برمنگھم کی عدالت کے ایک فیصلہ کے دوران میں وہ لکھتے ہیں:۔

"میرے خیال میں اِس ملک کے قوانین طلاق حد درجہ تشدد دانہ اور باعث ملامت ہیں۔ آج مَیں نے ایک مقدمہ کے دوران میں بد قسمت بچوں کو عدالت میں بار بار یہ ثابت کرنیکے لئے آتے دیکھا کہ اُن کے مطلقہ والدین میں سے ایک نے ضرور بدکاری کی ہے۔

میرے خیال میں یہ منظر نہایت بھیانک ہے کہ اُن زوجین میں سے جو عرصہ دراز سے یہ فیصلہ کر چکے ہوں کہ وہ اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ اور بعض اوقات اُن کو علیٰحدہ رہتے ہوئے بھی سولہ سترہ برس سے زائد عرصہ گذر چکا ہو۔ اور انہوں نے نیا نکاح بھی کرلیا ہو۔ ہمسایوں میں عزت رکھنے کی خاطر لڑکی کی اِس بات کیلئے گواہی کو ضروری سمجھا جائے کہ اُس کی ماں بدکار رہی ہے۔

بھیانک، ہاں میرا خیال ہے یہ منظر نہایت بھیانک ہے جنہوں نے یہ قوانین وضع کئے ہیں یا وہ پادری اور علماء جو لوگوں کی مناکحت کے ذمہ وار ہیں۔ اُن کے لئے یہ ممکن کیوں نہیں ہو سکتا کہ وہ طلاق سے پہلے فریقین کی بدقماشی اور بدکاری ثابت کرنے کے لئے "نتیجہ" کو عدالت میں نہ لائیں۔

موجودہ طریق۔ جیسا کہ مَیں نے یہ عہدہ قبول کرتے وقت سترہ برس قبل کہا تھا۔ نہایت متشددانہ ہے۔ جن لوگوں کو یہاں بیٹھ کر جگر پاش کہانیاں سُننا پڑتی ہیں اُن کی صرف یہی خواہش ہے کہ ان مصائب کو ہلکا کرنے کی کوئی تجویز کی جاتی۔ لیکن کسی کو افراد کی ہمدردی کا خیال نہیں آتا!

جو لوگ شادی کو "مقدس" گردانتے ہیں۔ اور جو اسکو "خدائی اتحاد" متصور کرتے ہیں۔ یا جو "مناقشت نہ ڈالو" کے اصول پر بہت زور دیتے ہیں۔ اُن کو یہ علم نہیں یا اگر اُن کو علم ہے تو وہ اُس تکلیف اور مصیبت کا اندازہ نہیں کر سکتے جس کا اظہار گواہوں کے کٹہرہ میں کیا جاتا ہے"

پھر مسٹر سوفٹ نے اِس مقدمہ کے فیصلہ کے دوران میں جو ایسے میاں بیوی سے متعلق ہے جو برسوں تک جُدا رہے۔ لکھا ہے:-

"آج مَیں نے کیسی کیسی روح فرسا داستانیں سُنیں۔ یہاں ایک میاں بیوی جو چودہ برس سے علیحدہ رہتے ہیں میرے پاس آتے ہیں اور اُن کی درخواست ہے کہ اُن کی طلاق منظور کی جائے۔ اب منظور کیوں نہ کی جائے؟ وہ درحقیقت چودہ برس سے علیحدہ ہیں۔ اب صرف قانونی طور پر علیحدہ ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن اُن کو قانونی طور پر طلاق دینے کی غرض سے ضروری ہے کہ اِن والدین کی بدقسمت لڑکی کو عدالت میں بلایا جائے اور وہ قسم کھا کر گواہی دے کہ اُس کو علم ہے کہ گذشتہ چودہ برس سے اُس کی ماں ایک ایسے شخص کے ساتھ رہ رہی ہے جو اُس کا والد نہیں ہے اور اُس کا والد ایک ایسی عورت کے ساتھ رہائش رکھتا ہے جو اُس کی ماں نہیں ہے۔" (ریویو انگریزی)

عبدالرحیم شبلی

مسلمان خواتینِ عرب کی حیرت انگیز شجاعت

تاریخ اسلام جس طرح ہمیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی شاندار قربانیوں اور قابل رشک شجاعت کی یاد دلاتی ہے کہ کس جوانمردی اور اولوالعزمی سے وہ اپنی جانِ عزیز کو ہتیلی پر رکھ کر اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر دشمنانِ اسلام سے برسرِ پیکار ہوئے اور پیارے دین کے تحفظ کے پیش نظر غیر متزلزل قوتِ ارادی کو لیکر بہادرانہ مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

اسی طرح وہاں ہمیں صنفِ نازک کی جرأت کے حیرت انگیز کارہائے نمایاں پڑھ کر اور مردوں کے دوش بدوش مضبوط قوتِ ایمانی سے حصہ لیتے دیکھ کر بے انتہا تعجب آتا ہے۔ اور اس "ماہِ عرب"، رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ جس نے تاریکی کے وقت اُٹھ کر اجالا کر دیا جس نے عین وقت پر بادل بن کر رحمت کی بارشیں برسائیں، جس نے دینِ قویم کی حقانیت کو موثرانہ انداز میں ان کے قلوب میں جاگزین کیا۔ اور اپنی بے مثال قوتِ قدسی سے عرب بھر کی کایا پلٹ دی بے اختیار دُعائیں نکلتی ہیں۔ مسلمان خواتین اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہو چکی تھیں۔ کہ دینِ اسلام، اور رسولِ عربی (فداہ امّی وابی) محبوب حقیقی کی دو مقدس امانتیں ہیں

جن کی حفاظت اپنے جان و مال سے کرنا ہمارا اوّلین فرض ہے۔ چنانچہ اس فرصت میں ہم اُن نامور عورتوں کا تذکرہ کریں گے۔ جنہوں نے اسلامی تمدّن کے مبارک عہد میں ہیبتناک جنگوں میں حصّہ لیا اور دُنیا کے روبرو انتہا کی شجاعت اور قومی ہمدردی کے قابل تحسین نمونے پیش کئے۔

تاریخ عرب کے مطالعہ سے ہمیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اسلام سے قبل مختلف جنگوں میں بہادر عورتیں بھی شریک ہوتی تھیں۔ جن کا کام لشکر کے عقب میں رہ کر اسلاف کے زبردست تاریخی کارناموں سے جوش پیدا کرنا تھا۔ مجروح سپاہیوں کی تیمارداری اور گھوڑوں کی خدمت کرنا تھا۔ چنانچہ یہی دستور اسلام میں بھی قائم رہا اور قریباً ہر جنگ میں بہادر عورتیں ہوتیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عورتیں جنگ خیبر کے وقت چھپ کر مدینہ سے روانہ ہوئیں اسوقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کا علم نہ ہُوا بعد میں جب آپکو معلوم ہُوا تو آپؐ نے نہایت غصّہ کے لہجہ میں فرمایا تم کو کس نے فوج کے ساتھ آنیکی اجازت دی انہوں نے مؤدّبانہ عرض کیا۔ حضور! ہمارے ساتھ دوائیں ہیں ہم زخمیوں کے بدن سے تیر نکالیں گی۔ اور ان کی مرہم پٹی کریں گی۔ علاوہ ازیں کھانے کا انتظام بھی کریں گی۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا ٹھیرو جب خیبر فتح ہُوا تو آپؐ نے غنیمت میں سپاہیوں کے ساتھ ان کو بھی شریک کیا۔

غرض مسلمان خواتین زخمیوں کو پانی پلانے، فوجیوں کے کھانے کا انتظام کرنے، اور مجروحین کو معرکۂ جنگ سے اُٹھا لانے میں سرگرمی سے حصّہ لیا کرتی تھیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے "اُم عمارہؓ" کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ہجرت سے پہلے قبل عقبہ میں جب مدینہ کے مسلمانوں نے رسول کریم صلعم کے دست مبارک پر کفار مکّہ سے پوشیدہ آپؐ کی پوری امداد کرنے اور اشاعتِ اسلام میں حقیقی جاں نثاری، اور اخلاص دکھانے کے تعلق بیعت کی تو اسلام کی اس سب سے پہلی مختصر جماعت میں یہ پاکیزہ سیرت صحابیہ بھی موجود تھیں۔ تاریخ اسلام میں یہ واقعہ بیعت عقبہ کے نام سے مشہور ہے۔

اسی طرح ۶ ھجری کو جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی نیّت سے مکّہ معظمہ کا ارادہ کیا تو قریش سے اجازت مانگنے کے لئے آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو بطور سفیر روانہ کیا جب آپ وہاں پُہنچے تو گفت وشنید میں بہت دیر ہوگئی ادھر مسلمانوں کے لشکر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہُوا تو آپؐ نے تمام صحابہؓ کو جمع کر کے اس موکد عہد پر بیعت لی کہ وہ قریش مکّہ سے لڑتے مرتے حتیٰ کہ جان پر کھیل جانے کے لئے ہر گھڑی تیار رہیں گے۔ اس عہد میں جو درحقیقت ایمانی قوّت کا بہت بڑا امتحان تھا حضرت عمارہؓ بھی شریک تھیں۔ یہ واقعہ تاریخ اسلام میں

بیعت اخوان کے نام سے مذکور ہے۔

پھر اسی طرح یہ صحابیہؓ جنگ اُحد میں اپنے خاوند زید بن عاصم کے ساتھ شامل تھیں

پھر امیر المومنین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جبکہ مسیلمہ کذاب نے ادعائے نبوت کیا اور بمقام "یمامہ" ایک خونریز لڑائی کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ صحابیہؓ بھی لڑائی میں شامل تھیں اور جب تک آپؓ کا ہاتھ زخمی نہ ہُوا پورے جوش کے ساتھ مقابلہ کرتی رہیں اس دن آپکو بارہ زخم آئے۔ غرضکہ اس محترم خاتون نے پیارے مذہب اسلام کے وقار کے قیام کی خاطر مختلف مواقع پر ایسے قابل قدر اور سچے جذبات سے حصہ لیا اور ایمانی قوت کا ایسے شاندار طریق سے مظاہرہ کیا کہ جسے ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

اسی طرح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جو حضرت زبیر کی والدہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں انکا ذکر بھی سُن لیجئے۔

یہ بڑی بہادر اور دلیر خاتون تھیں۔ اسلام کی محبت ان کے رگ و ریشے میں اثر کئے ہوئے تھی اور حقیقت تو یہ ہے کہ کفار ناہنجار کے بالمقابل پوری جوانمردی سے جنگوں میں حصہ لینا انکی زندگی کا بہترین مشغلہ تھا۔

چنانچہ اسوقت ہم اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی بہادری کا صرف ایک واقعہ درج کرتے ہیں۔

غزوۂ خندق میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہؓ کفار سے لڑ رہے تھے۔ بنو قریظہ لڑتے لڑتے اس مقام پر جا پہنچے جہاں مسلمان خواتین تھیں وہاں ان کی حفاظت کے لئے مردوں کی کوئی فوج متعین نہ تھی۔ یہ دیکھ کر ایک یہودی عورتوں کی طرف لپک پڑا حضرت صفیہ کو خوف ہُوا کہ کہیں یہ یہودی بنو قریظہ کو ہماری اطلاع نہ دیدے اور وہ میدان خالی پاکر ہم پر حملہ آور نہ ہو جائیں آپ نے حضرت حسان بن ثابت سے کہا کہ حسان آگے بڑھ کر اس یہودی کو قتل کر دو حضرت حسان چونکہ اِن مواقع سے طبعاً گھبراتے اور گریز کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے کہا۔ "اے عبد المطلب کی بیٹی خدا تمھاری مغفرت کرے تم جانتی ہو میں اس کام کا اہل نہیں ہوں"۔ حضرت صفیہ یہ سُن کر انتہائی جوش کے ساتھ خیمے کا ستون لیکر خود مقابل پر آئیں اور اس یہودی کو وہیں ڈھیر کر دیا۔ (اسد الغابہ جزو ثانی تذکرۂ حسان)

پھر ایک اور جنگ جسمیں مسلمان خواتین نے پوری جوانمردی سے حصہ لیا۔ اور اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینا عین سعادت اور ابدی فلاح کا موجب سمجھا۔ وہ جنگ یرموک ہے جو تاریخ اسلام میں اپنی شدت اور سختی کی وجہ سے یوم التعویر کے نام سے بھی مشہور ہے۔ یہ وہ خونریز معرکہ ہے جس میں امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے خلافت میں اسلام کو جزیرہ نمائے عرب سے باہر قدم رکھنے کے لئے روم و ایران کی اُن وسیع الحدود اور مستحکم سلطنتوں سے مقابلہ کرنا پڑا جو تاریخ اسلام خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ اس جنگ میں رومیوں کی

قسمت کا آخری فیصلہ ہوا۔ اور مسلمان خدائے عزّ و جل کے عظیم الشان وعدوں کے ماتحت مظفر و منصور ہوئے اس زبردست معرکہ میں مجاہدینِ اسلام چالیس ہزار تھے۔ اور رومیوں کی جمعیت دُولاکھ سے بھی زائد تھی۔ یہ ایک نہ تھمنے والے سیلاب کی طرح پورے جوش کے ساتھ اسلامی جاں نثاروں کی طرف بڑھتی چلی آرہی تھی۔ یرموک میں دونو لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ اس دفعہ کفّار نے بہت اہتمام کیا ہوا تھا۔ چنانچہ چالیس ہزار رومی انہوں نے زنجیروں سے اس طریق سے جکڑ دیئے تھے کہ اگر خائف ہوکر بھاگنے کا خیال بھی انہیں آئے تو بھی پیچھے نہ ہٹ سکیں۔ آخر عیسائیوں کی دُولاکھ فوج نے مسلمانوں پر ہلّہ بول دیا۔ یہاں تک کہ اسلامی فوج کا داہنا حصّہ اسقدر پیچھے ہٹاکر عورتوں کے خیمہ تک آگیا۔ اس داہنے حصّہ پر لخم اور جذام قبیلے تھے جو ایک عرصہ قبل عیسائیوں کے دستِ نگر اور ماتحت رہ چکے تھے۔ لیکن اب مسلمان ہوگئے تھے وہ بھی دہشت زدہ ہوکر بھاگ نکلے عورتوں نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ غیظ و غضب سے بھڑک اُٹھیں اور خیموں سے باہر نکل کر رُومیوں پر اس زور سے حملہ آور ہوئیں کہ اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ پھر فوج کے عقب پر جاکر مسلمانوں کو غیرت دلائی۔ اور بھاگنے والوں کو ملامت کی۔ عورتوں کے اس شاندار نمونہ کا مَردوں پر ایسا گہرا اثر ہُوا کہ وہ پھر اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگئے۔ لیکن عورتیں پھر اپنے فاتحانہ جوش میں تلواریں سونتے ہوئے دشمنوں پر پل پڑیں اور حملہ کرتے ہوئے مَردوں سے آگے بڑھ گئیں۔

اس جنگ میں حضرت معاویہؓ کی بہن جویریہ بہادر عورتوں کا ایک دستہ لیکر اور نہایت دلیری سے لڑکر زخمی ہوئیں۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ کی ماں ہند بنت عتبہ بھی مَردوں کو مخاطب کرکے یُوں جوش دلاتی رہیں:۔

یَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ عضد وا اتغلفان سیو فکم

اے عربو! مدد دو۔ کیا تم اپنی تلواریں میان میں ڈالتے ہو۔

اسی طرح ضرار بن ازور کی بہن خولہ یہ شعر پڑھ کر مسلمانوں کو غیرت دلاتی تھیں:۔

یا هاربًا عن نسوةٍ تقیات

رمیت بالهم والمنیات

یعنی اے پاکدامن عورتوں کو چھوڑکر بھاگنے والو! تم موت اور تیر کے نشانہ نہ ہو (بلاذری صہ ۱۴۱)

مسلمانوں کی جو بہادر عورتوں جنگ یرموک میں لڑیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

اسماء:۔ (بنت ابو بکر صدیقؓ) عبادہ بن صامت کی بیوی، خولہ بنت ثعلبہ۔ کعوب بنتِ مالک، سلمی بن ہاشم، نعم بنتِ قناص، عفیرہ بنت عفارہ۔

ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل کی پھوپھی زاد بہن اسماء بنت یزید نے تن تنہا

۹ رومیوں کو مار ڈالا (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۳۹۸)

غرضکہ اس مہیب معرکہ میں مسلمانوں کیلئے خطرناک صورت پیدا ہو چکی تھی۔ لیکن آفرین ہے اُن جانباز خواتین کی پاکیزہ روحوں پر جنہوں نے پیارے دینِ اسلام کو اپنے جان و مال سے عزیز جان کر پوری جانفشانی سے کام لیتے ہوئے وہ دوہتی تلوار چلائی کہ رومیوں کے مُنہ پھیر دیئے۔ اور خصوصیّت سے جب اس بات کی طرف غور کریں کہ اِن محترم خواتین نے تین مرتبہ کفّار کے زبردست سیلاب کو بہادرانہ روکا تو ان کی اولالعزمی و بہادری کی حیثیت بہت بڑھ جاتی ہے۔

جنگ یرموک کے چند دن بعد جب پھر ایک دفعہ مسلمانوں کی فوج رومیوں کے مقابل جا رہی تھی راستہ میں ایک دن انہوں نے دمشق کے قریب مرج الصفر میں قیام کیا خالد بن سعید جنہوں نے انہی دنوں میں ام حکیم بنت حارث سے شادی کی تھی۔ اس مقام پر انہوں نے مسلمانوں کو دعوت ولیمہ دی۔ لوگ ابھی کھانے میں مشغول تھے کہ رومی پُہنچ گئے۔ اسلامی مجاہد بھلا کب رُکنے والے تھے۔ اُنہوں نے بھی فی الفور جنگ کی تیاری کر کے اس زور سے حملہ کیا کہ رُومی انتہائی ذِلّت کے ساتھ اپنا سا مُنہ لیکر واپس چلے گئے ام حکیم نہایت دلیری سے لڑیں اور رومیوں کے ساٹھ آدمی ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۵۷۷)

معزز قارئین! مسلمان خواتین عرب کی بہادری کے زبردست کارنامے یہیں تک ختم نہیں ہو جاتے، اور ان کی جاں نثاری کی پُرجوش داستاں کا اسی جگہ اختتام نہیں بلکہ تاریخ اسلام ہمارے سامنے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جنگ اجنادین کا بھی محیر العقول منظر پیش کرتی ہے جس میں عورتوں نے ایسے غیر متزلزل استقلال اور مردانہ حوصلہ سے کام لیا کہ انسان عش عش کر اُٹھتا ہے۔

جب ۱۳ھ میں مسلمانوں نے دمشق پر چڑھائی کی تو اہل دمشق قلعہ بند ہو گئے۔ یہ سب سے مضبوط قلعہ تھا جس کا کئی مہینے محاصرہ رہا مسلمان دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھے کہ انہیں ۹۰ ہزار رومیوں کی زبردست جمعیت کی بمقام اجنادین جمع ہونے کی اطلاع ملی۔ اسوقت مسلمانوں کی فوج ملک شام میں منتشر تھی آخر حضرت ابو عبیدہ اور حضرت خالد بن ولید کی یہ رائے ہوئی کہ اسلامی فوج کو ایک جگہ جمع کرنے کا اہتمام کیا جائے اس کے مطابق اسلام کے تمام سپہ سالار اپنی اپنی فوجیں لیکر اجنادین کی طرف بڑھے ان کی مجموعی تعداد ۲۴ ہزار کے قریب تھی حضرت ابو عبیدہ اور حضرت خالد بن ولید بھی اجنادین کی طرف بڑھے۔ حضرت خالد بن ولید لشکر کے آگے آگے تھے۔ اور حضرت ابو عبیدہ چند مجاہدین کے ہمراہ عورتوں، بچّوں اور سامان رسد سمیت پیچھے پیچھے آرہے تھے اہل دمشق نے جب یہ دیکھا تو ان کا جذبۂ انتقام بھڑک اُٹھا اور قلعہ سے نکل کر حملہ کے لئے دوڑ پڑے ادھر عجیب اتفاق یہ ہُوا کہ قیصر روم کی امداد بھی انہیں پہنچ گئی۔ اب مسلمان انتہائی خطرہ میں تھے۔ سامنے سے بھی کفّار کی فوج اور پیچھے بھی کفّار

کی فوج۔ لیکن مسلمانوں نے نہایت دلیری سے دونو طرف کے حملوں کو روکا۔ لیکن مسلمانوں کو زیادہ تر خیال چونکہ سامنے کی فوج کا تھا اس لئے اس قلیل فرصت کو بھی رومیوں نے غنیمت سمجھا اور فوراً مسلمان عورتوں کو حراست میں لیکر قلعہ دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔ اسوقت جوانمرد خاتون خولہ بنتِ ازور نے عورتوں کو مخاطب کرکے باواز بلند کہا۔ بہنو! کیا تمھاری غیرت یہ برداشت کر سکتی ہے کہ تم مشرکین دمشق کے ناپاک ہاتھوں میں آجاؤ۔ کیا تم عرب کے دامن شجاعت وحمیت کو دھبّہ لگانا چاہتی ہو۔ میرے نزدیک تو اس ذِلت سے مرجانا بدرجہا بہتر ہے۔ اِن چند فقرات نے ہی طبقہ نسواں میں ایک آگ لگادی اور وہ خیموں کی چوبیں لیکر حلقہ باندھ کر آگے بڑھیں سب سے آگے خولہ بنتِ ازور اور ان کے پیچھے عفیر بنت عفارہ، ام ابان بنتِ عتبہ، سلمہ بنتِ لقمان بن مقرن اور چند اور عورتیں تھیں انہوں نے اس شدّت کے ساتھ حلّہ بولا کہ تیس رومیوں کو واصل جہنّم کیا۔ اب کفّار کے قدم اکھڑنے کو ہی تھے کہ مسلمان بھی آپہنچے۔ اور رومی فوج بھاگتی ہوئی دمشق میں قلعہ بند ہوگئی۔ ایڈورڈ گبن اپنی تاریخ میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :-

"یہ وہ عورتیں ہیں جو شمشیر زنی، نیزہ بازی، تیراندازی میں نہایت ماہر تھیں یہی وجہ ہے کہ نازک سے نازک موقعہ پر بھی اپنے دامن عفت کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتی تھیں"

غرض تاریخ اسلام عورتوں کی بہادری، شجاعت، اور اولوالعزمی کی ایسی حیرت انگیز مثالیں ہمارے سامنے پیش کرتی ہے کہ انسان انگشت بدنداں ہوجاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اُن پاکیزہ سیرت صحابیاتؓ نے اپنے مضبوط ایمان، اور بہترین پاکیزہ اعمال سے اپنے تئیں اس قابل ضرور بنالیا تھا کہ خدا خود انکی مدد کو اُترتا اور ہر وقت ان کی درد بھری آواز کا جواب دیتا۔

پس اے جماعت احمدیہ کی محترم بہنو! آپ کو مبارک ہو کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو اس بے شمار برکات و افضال کے زمانہ میں پیدا کرکے اس بات کا زرّین موقعہ دیا ہے کہ آپ بھی اسلام اور احمدیت کے وقار کے قیام کی خاطر تن، من، دھن قربان کردیں۔ تمام دُنیا ہم کو صفحہ ہستی سے مٹانے اور نیست و نابود کرنے کیلئے کمربستہ ہے اور دجالیّت کا سیلاب روز بروز قوّت پکڑ رہا ہے اس لئے آپکو چاہیئے کہ اس کو روکنے کے لئے اُن پاکیزہ سیرت صحابیات کے قدم پر چل کر ایسے محیر العقول کارہائے نمایاں دکھائیں جن کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کی نصرت آسمان سے اُترے۔ اور احمدیت کو مذاہب عالم پر غلبہ حاصل ہو ٭

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

احقر ملک نذیر احمد ریاض مولوی فاضل

"رکن مجلس انصار سلطان القلم"

الجہاد فی الاسلام

(۳)

ارتداد اور اسلام

یقیناً یہ ایک قابل افسوس امر ہے کہ اسلام کی صرف اس بارہ ہی میں پیہم غلط نمائندگی نہیں کی گئی کہ وہ بزور شمشیر پھیلا ہے بلکہ اس کے قوانین ارتداد کے متعلق بھی شدید غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، خود مسلمانوں میں ایک ایسا "مکتب خیال" ہے جس کے متبع پوری دیانتداری سے سمجھتے ہیں کہ ہر چند کہ اسلام نے مذہب کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں آزادی کے اصل کو تسلیم کیا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ یہ اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص مذہب اسلام ایک مرتبہ قبول کرنیکے بعد پھر اس سے ارتداد اختیار کرے، ان کا خیال ہے کہ اسلام میں ایسے جرم کے مرتکب کی سزا قتل ہے۔ حالانکہ کسی شخص کو با مجازات اعدام کسی مذہب کے قبول کرنے اور یا اسپر قائم رکھنے کے لئے مجبور کرنا ایک ہی بات ہے۔ اگر اسلام کسی مذہب کو اختیار کروانے کے لئے تو تلوار کے استعمال کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن ترک مذہب سے بجبر روکتا ہے تو پھر اسے آزادی ضمیر کے ناقابل انقطاع یا انسانی حق کا شدید ترین دشمن سمجھنا بعید از انصاف نہیں۔ اس حالت میں اسے تمام سمجھدار اور شریف انسانی طبائع کی بیعت سے دستبردار ہو جانا چاہیئے۔ لیکن اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ جس طرح وہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ اسلام مذہب منوانے کی خاطر جبر و اکراہ کی اجازت دیتا ہے۔ ایک شدید غلط فہمی میں مبتلا ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی ایک اہم غلطی کا شکار ہیں جن کا خیال ہے کہ اسلام ایک دفعہ مذہب قبول کرکے اسے چھوڑنے والے پر واپس لوٹنے کے دروازے بند کر دیتا ہے۔ اسلام تو ضمیر کی کامل آزادی کا علمبردار ہے۔ وہ ان لوگوں کو بھی اسی قدر آزادی دیتا ہے جو اختیار اسلام کے لئے کوئی وجہ نہیں پاتے جس قدر آزادی اس نے ان لوگوں کو عطا کی ہے جو ایک دفعہ دائرہ اسلام میں آنیکے بعد اسے چھوڑنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ انسانی جان کے تقدس کو تسلیم کرتا ہے اور کسی شخص کے مذہبی اعتقادات کے باب میں اس کے اعدام کی اجازت نہیں دیتا، اور جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بتلایا جا چکا ہے کہ یہ اسلام کی بنیادی چیز ہے تو پھر اس باب میں کافر و مرتد کا کوئی اختلاف ممکن ہی نہیں۔ ہمارا یہ مضمون نامکمل رہیگا اگر ہم نے تعلیمات اسلامیہ کے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا ہر چند کہ اس کے لئے ہمیں لوازمات اختصار ہی کو کیوں نہ مدنظر رکھنا چاہیئے ؛

اسلام قتل مرتد کی اجازت نہیں دیتا

جس طرح قرآن مجید کی کسی آیت یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ایسی صحیح و مستند حدیث کا تلاش کرنا ممکن نہیں

جو صریحاً یا اشارتاً غرض کسی طرح بھی کافر کو مسلمان بنانے کے لئے تیغ و سنان کے استعمال کی اجازت دیتی ہو۔ اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ قتل مرتد کی تائید میں کوئی آیت قرآنی یا مستند حدیث نبوی پیش کی جا سکے، ہر دو مسائل پر اسلامی تعلیمات کھلی اور واضح ہیں، قرآن مجید فرماتا ہے:۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ ۳ : ۷۱

اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا کہ ایمان کا اظہار کرو اس وحی پر جو مسلمانوں کے لئے نازل ہوئی دن کے ایک حصہ میں اور دوسرے وقت اس سے پھر جاؤ اس طرح ان کے ساتھی بھی لوٹ آئیں گے۔

قرآن مجید کی یہ آیت مدینہ کے یہود کی اس سازش کی طرف اشارہ کرتی ہے جو انہوں نے مسلمانوں کو مرتد کرنے کے لئے ترتیب دی تھی۔ یعنی یہ کہ ایک دن تو اپنے مسلمان ہو جانیکا اعلان کر دو اور دوسرے دن ارتداد اختیار کر جاؤ تا اس طرح مسلمانوں کے دلوں میں صداقت اسلام کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں۔ یہ آیت بتلاتی ہے کہ یہود نے اس تجویز کو کچھ وقت تک کے لئے اختیار کئے رکھا۔ پس اگر اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہوتی تو اس تدبیر کا زیر عمل لانا تو کجا اس کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، پس یہ حقیقت ہے کہ یہود نے ایسی تجویز و تدبیر سوچی اور اسے عملی جامہ پہنایا۔ بغیر کسی شک و شبہ کے ثابت کرتی ہے کہ مدینہ میں تسلط نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت لوگوں کو ہر مذہب کے ترک و قبول کی کھلی آزادی حاصل تھی، پھر قرآن مجید ایک اور جگہ فرماتا ہے:۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے سکتا ہے جو ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گئے حالانکہ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ رسول صداقت پر ہے اور پھر انکے پاس کھلے کھلے نشانات بھی آچکے تھے اور ظالموں کو ہدایت نہیں عطا فرماتا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ انہیں اللہ کی اور فرشتوں اور عام لوگوں کی لعنت ہے۔ اس لعنت میں یہ لمبا عرصہ رہیں گے یہ عذاب ان سے ہلکا نہیں کیا جائیگا اور نہ مہلت ہی پائینگے وہ جو لوگ اسکے بعد تائب ہو گئے اور انہوں نے اپنے اندر اصلاح کر لی تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ وہ لوگ جو ایمان لانیکے بعد مرتد ہو گئے پھر اپنے کفر میں بڑھ گئے تو ایسے لوگوں کی توبہ

لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝ ۳:۸۵

نہ قبول فرمائے گا۔ یہ لوگ گمراہ رہیں گے ؛

یہ آیات اس اتہام کا ناقابل تردید جواب ہیں کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ ان آیات کی رو سے ایک شخص بکمال آزادی جتنی بار چاہے اسلام قبول کرکے اس سے ارتداد اختیار کر سکتا ہے۔ ان آیات کی تائید قرآن مجید کی دوسری آیات سے بھی ہوتی ہے۔ جن میں سے چند ایک ہم ذیل میں درج کرتے ہیں :۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ۱۶:۱۰۶

جو شخص ایمان لانیکے بعد کفر اختیار کرے بجز اسکے جسے بزور مجبور کیا گیا بحالیکہ اس کا قلب ایمان سے مطمئن ہے اسپر عذاب نہیں لیکن جو کفر پر شرح صدر سے راضی ہوا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور عذاب عظیم ؛

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝ ۴:۱۳۷

(۲) جو لوگ ایمان لائے پھر کفر اختیار کریں پھر ایمان لائے پھر کفر کیا اور کفر میں بڑھتے گئے اللہ ان کو بخشنے کا نہیں اور نہ ہدایت کے رستے پر رکھے گا ؛

(۳) وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۲:۲۱۷

(۳) اور وہ کفار تم سے لڑتے رہینگے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر لیں اگر وہ ایسا کر سکیں۔ اور جو تم میں سے اپنے دین اسلام سے برگشتہ ہو جائے اور پھر اسی حال پر مر جائے کہ وہ کافر ہے تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت گئے یہ دوزخ میں جانیوالے ہیں اس میں مدتوں رہینگے ؛

(۴) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۵:۵۴

(۴) اے ایمان لانیوالو! جو تم میں سے اپنے دین سے برگشتہ ہوں وہ یاد رکھیں کہ ضرور اللہ ان کے بدلے ایسی قوم اسلام میں لائیگا جن کو اللہ دوست رکھیگا اور وہ اللہ کو دوست رکھینگے مومنوں کے سامنے متواضع اور کافروں کے مقابلہ پر مضبوط و سخت ؛

اسی مضمون کی جہاں اور بہت سی آیات بآسانی درج کی جا سکتی ہیں وہاں ایسی کوئی ایک آیت بھی نہیں ملسکتی جو صراحتاً یا اشارتاً غرض کسی طرح بھی یہ ثابت کرتی ہو کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ اس لحاظ سے کہ قرآن مجید

اسلامی شریعت کا اوّلین منبع ہے۔ اور ارتداد کا مسئلہ اہم ترین مسائل میں سے ہے۔ قرآن مجید میں مرتد کے لئے کسی سزا کا بیان نہ ہونا حتمی طور پر ثابت کرتا ہے کہ اسلام نے افراد کو کسی مذہب کے ترک و رد کے بارہ میں بھی ویسی ہی آزادی عطا کی ہے جیسی اس کے اختیار کرنے میں ؛

حدیث اس بارہ میں قرآن مجید کی مؤیّد ہے

شریعت اسلام کا سرچشمہ ہونیکے لحاظ سے حدیث کو قرآن مجید سے دوسرا درجہ حاصل ہے۔ پس اگر کوئی حدیث قرآن مجید کے واضح، مبرہن اور غیر مشکوک احکام کے ہوتے ہوئے مرتد کے لئے قتل یا اور کسی قسم کی سزا تجویز بھی کرتی تو وہ وضعی اور ناقابل اعتماد ہونیکے باعث ردّ کے لائق تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس خیال کے حامی کہ اسلام نے مرتد کی سزا قتل تجویز کی ہے اپنی تائید میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے بلکہ اس کے برعکس اس بارہ میں حدیث قرآن مجید کی کامل مؤیّد ہے۔ بخاری نے جو احادیث نبویہ کا مستند ترین مجموعہ ہے۔ مرتدین کا تذکرہ دو جداگانہ ابواب میں کیا ہے۔ اور یہ چیز بتلاتی ہے کہ مرتد بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اور قرآن مجید سے وہ احکام جو ایک قسم کے مرتدین پر چسپاں ہوتے ہیں انہیں دوسری قسم والوں پر نہیں لگایا جا سکتا۔ امام علیہ الرحمۃ نے ایک باب کا عنوان باندھا ہے :-

”کتاب المحاربین من اھل الکفر والردۃ“ (یعنی باب مسلمانوں سے جنگ آزما ہونیوالے کفار اور مرتدین کے بارہ میں) اور دوسرے کا سرنامہ ہے ”کتاب الاستتابۃ المعاندین والمرتدین وقتلھم“ (یعنی باب مرتدین اور معاندین کی توبہ اور ان سے جنگ کرنے کے بارہ میں)

مندرجہ فوق دو مختلف عنوانوں کے تحت حربی اور غیر حربی مرتد کی یہ تقسیم اس تمام اغتشاش کو دور کر دیتی ہے کہ اسلام میں مرتد کی کیا سزا تجویز کی گئی ہے، سوال تو یہ ہے کہ اسلام کو کسی شخص کے ذاتی معتقدات سے دست بگریباں ہونیکا کیا حق پہنچتا ہے۔ ہر شخص جس عقیدہ کو چاہے اختیار کرنے کا مجاز ہے۔ لیکن جب وہ عقیدہ اس کے ضمیر کے لئے طمانیت بخش نہ رہے تو اس سے کنارہ کش بھی ہو سکتا ہے۔ اسلام یا کسی دوسرے مذہب کی نکتہ چینی، عیب جوئی، اور خردہ گیری کا کوئی حق حاصل نہیں، لیکن اگر اسلامی حکومت کا کسی غیر حکومت سے اعلان جنگ ہو چکا ہے اور کوئی شخص اسلامی لشکر کو چھوڑ کر غنیم سے جا ملتا ہے تو یہ وہ شخص ہے جس کے لئے اسلام نے قتل کی سزا تجویز کی ہے۔ لیکن یقیناً یہ سزا دائرہ اسلام سے نکل جانیکی نہیں بلکہ زمانہ جنگ میں اسلامی فوج کو چھوڑ کر دشمنوں سے مل جانے اور اسلام سے غدّاری کرنیکی سزا ہے، اور اس جرم کے لئے موت کی سزا کو تو موجودہ ”مہذّب“ بیسویں صدی نے بھی بیحد نرم گردانا ہے۔ یہ حقیقت کہ اسلام ایسے شخص کو مجرم نہیں گردانتا جو مسلمانوں کو چھوڑ کر ان لوگوں کے پاس چلا جاتا ہے جو مسلمانوں کے حلیف ہیں یا

اگر حلیف نہیں تو کم از کم حربی مخالف یعنی اس احمقانہ اور جاہلانہ اعتراض کو بیخ و بن سے اکھیڑ دیتی ہے کہ اسلام کے تعزیری نظام میں مرتد کے لئے قتل کی سزا تجویز کی گئی ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے:۔

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۵ ۴: ۹۰

مگر وہ جو ملتے ہیں اس قوم سے کہ ان کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہے یا تمہارے پاس اس حال میں آئے کہ وہ تمہارے ساتھ ہو کر یا اپنی قوم کی طرف سے ہو کر لڑائی کرنے سے دل تنگ ہیں۔ اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا۔ اور وہ تم سے لڑتے۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی کریں اور تم سے نہ لڑیں اور تم سے صلح کی طرح ڈالیں تو تمہیں ان سے آویزش جائز نہیں ؎

ان لوگوں کی مثالیں کچھ کم نہیں جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا لیکن پھر کسی نہ کسی وجہ سے اسے ترک کر دیا اور مدینہ سے بھی رخصت ہو گئے جس پر حضور علیہ السلام کو طبعی طور پر رنج تو ہوا۔ لیکن ان کے اس انتخاب میں آپ نے دخل اندازی نہیں فرمائی، چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں:۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ اَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْاِسْلَامِ فَاَصَابَ الْاَعْرَابِيَّ وَعْكٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَجَاءَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ اَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَاَبٰى فَخَرَجَ الْاَعْرَابِيُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْمَدِيْنَةُ كَالْكِيْرِ تَنْفِيْ خَبَثَهَا وَتَنْصَعُ طِيْبُهَا۔ فتح الباری

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ ایک بدو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا پھر ابھی وہ مدینہ میں ہی تھا کہ بیمار ہو گیا۔ تب وہ رسول اللہ کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ میری بیعت واپس کر لیجئے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ تب وہ بدو چلا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ بھٹی کی طرح ہے کہ گند کی ملونیوں سے پاک کر دیتا ہے ؎

اسوۂ نبوی قرآن مجید کے مطابق ہی

صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ اگر کفار مکہ میں سے کوئی کافر اگر مسلمان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو حضورؐ اسے لوٹا دینگے لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ چھوڑ کر کفار سے جا ملے تو اس کا لوٹانا انپر فرض نہیں، خود یہ شرط ہی اس اتہام کی مؤثر تردید کرتی ہے کہ اسلام ارتداد کے لئے قتل کی سزا کا مجوز ہے۔ صلح حدیبیہ جو تاریخ اسلامی کے اہم ترین واقعات میں سے ہے اس کی شرائط کے ہوتے ہوئے

یہ بتلانے کے لئے کہ اسلام انتخاب و ارادہ کی کامل آزادی عطا کرتا ہے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہتی تاریخ اسلام کا ایک اور اہم واقعہ یعنی عبداللہ بن سراح کا ارتداد بھی اس سوال پر بہت بڑی روشنی ڈالتا ہے یہ شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب وحی تھا لیکن پھر مرتد ہو کر کفار مکّہ کے پاس چلا گیا۔ آخر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے مکّہ فتح کروا دیا تو یہ ان چند افراد میں سے تھا جن کے متعلق فیصلہ قتل صادر کیا گیا، لیکن یہ حکم اس کے مرتد ہو جانیکی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس لئے تھا کہ وہ دشمنوں اور معاندوں سے جا ملا، آخر حضرت عثمان رضؓ نے جو اس کے سوتیلے بھائی تھے اسے پناہ دی اور اس طرح بعد میں معاف کر دیا گیا، اور عہد عثمانی میں گورنری کے عہدہ پر ممتاز ہوا، اگر اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہوتی۔ تو حضرت عثمان رضؓ اسے پناہ دیکر ایک اہم اسلامی حکم کی خلاف ورزی کے مرتکب نہیں ہو سکتے تھے، وہ صرف تارک الدین نہیں بلکہ سیاسی مجرم تھا۔ اور اسی وجہ سے اس کی موت کا حکم صادر کیا گیا، گو بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ جرم معاف فرما دیا اور اس طرح اس کی جان بچ گئی۔

اس میں شک نہیں کہ بعض احادیث نبویہ ایسی ہیں کہ جب ان کے سیاق و سباق سے انہیں جدا کر لیا جائے تو وہ یہ شبہ پیدا کرتی ہیں کہ اسلام ارتداد کی سزا قتل تجویز کی ہے، چنانچہ امام مالک نے اپنی مؤطا میں ایک روایت درج کی ہے عَنْ زَیْدِ ابْنِ اَسْلَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ غَیَّرَ دِیْنَہٗ فَاضْرِبُوْا عُنُقَہٗ ۔ جس نے اپنا مذہب تبدیل کیا اس کی گردن مار دو۔ اسی مضمون کی ایک حدیث طبرانی میں ہے، مَنْ خَالَفَ دِیْنَہٗ دِیْنَ الْاِسْلَامِ فَاضْرِبُوْا عُنُقَہٗ ۔ لیکن اگر ان احادیث نبویہ کے یوں لفظی معنے ہی لئے جائیں تو یہ معنے قرآن مجید کی آیات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی دیگر احادیث اور حضورؐ کے تمام عمر کے اسوہ اور طریق عمل کے خلاف ہونگے۔ حضور علیہ السلام کے الفاظ مَنْ غَیَّرَ دِیْنَہٗ کا یہ مطلب ہے کہ جو محاربانہ ارتداد اختیار کرے۔ حضرت عائشہ رضؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ قابل بیوی مذہبی مسائل کی بہت سی لاینحل گتھیوں کو سلجھانے کے لئے اُمّت جن کی مرہون منت ہے۔ اس اہم اور مشکل مسئلہ کو حل کرنے میں پیچھے نہیں رہیں۔ چنانچہ امام بخاری لکھتے ہیں:۔

عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَحِلُّ دَمُ اِمْرِیٍٔ مُسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلَاثِ خِصَالٍ زَانٍ مُحْصَنٍ یُرْجَمُ اَوْ رَجُلٌ قَتَلَ رَجُلًا

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو صرف تین وجوہات سے سزائے موت دی جا سکتی ہے اوّل وہ ثیب ہو کر زنا کا ارتکاب کرے، قتل عمداً کرے یا حربی

مُتَعَمِّدًا فَيُقْتَلُ اَوْ رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ الْاِسْلَامِ فَيُحَارِبُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَرَسُوْلَهٗ فَيُقْتَلُ اَوْ يُصْلَبُ اَوْ يُنْفٰى مِنَ الْاَرْضِ

کافر ہو۔ تو اسے قتل کیا جا سکتا ہے صلیب پر لٹکایا جا سکتا ہے یا ملک بدر کیا جا سکتا ہے۔

پھر صحیح مسلم کی ایک روایت ہے، امام فرماتے ہیں:-

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ دَمُ رَجُلٍ مُسْلِمٍ ..... اِلَّا بِاِحْدٰى ثَلَاثٍ۔ اَلثَّيِّبُ الزَّانِيْ وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ اَلتَّارِكُ لِدِيْنِهٖ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ۔

عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مسلمان صرف تین وجوہات سے مستوجب قتل ہو سکتا ہے۔ ثیب زانی۔ قصاص۔ دین چھوڑ کر مخالف گروہ سے مل جانے والا۔

یہ دونو حدیثیں رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے الفاظ غَيَّرَ دِيْنَهٗ اور خَالَفَ دِيْنَهٗ دِيْنَ الْاِسْلَامِ کے حقیقی مفہوم کی کامل یقین کرتی ہیں، کہ یہاں ارتداد سے مراد محاربانہ ارتداد ہے' فتح مکّہ کے موقعہ پر دو مرتدین ابن خطل اور ابن سبابہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قتل کیا گیا تو یہ اسوجہ سے نہ تھا کہ انہوں نے ارتداد اختیار کر لیا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے دو مسلمانوں کو قتل کیا تھا اور پھر وہ مشرکین مکّہ سے جا ملے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت بھی موضوع زیر بحث پر کافی روشنی ڈالتی ہے، چنانچہ صاحب عینی لکھتے ہیں عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ لَا تُقْتَلُ النِّسَاءُ اِذَا هُنَّ ارْتَدَدْنَ. کہ عورتیں اگر مرتد ہو جائیں تو ان کا قتل روا نہیں، اب اگر اسلام میں ارتداد کی سزا قتل ہوتی تو اس بارہ میں مرد و عورت کے کسی امتیاز کو ملحوظ نہیں رکھا جا سکتا تھا، یہ روایت ہمیں بتلاتی ہے کہ مرتد عورتوں کے قتل کی ممانعت کیگئی تھی، کیوں؟ اس لئے کہ عورتیں عموماً لڑائی میں عملی حصّہ نہیں لیتیں اور ان سے امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ شریک جنگ ہوں، یہ روایت ہمیں یہ بھی بتلاتی ہے کہ اسلام قتل کا حکم محض ارتداد کی سزا میں نہیں دیتا بلکہ اس سزا کا مستوجب وہ مرتد ہوتا ہے جو اسلامی فوجوں کو چھوڑ کر غنیم کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہونیکے لئے جا ملتا ہے۔ یہ واقعہ کہ حضرت ابو بکرؓ نے ام قرفہ نامی عورت کو قتل کر دیا ہمیں بتلاتا ہے کہ محض ارتداد میں مرد و عورت کی تمیز کو مدِ نظر نہیں رکھا گیا کیونکہ اپنے تیس بیٹوں کو مسلمانوں کے

خلاف مصروف پیکار ہونیکے لئے اُبھارا کرتی تھی، اس بارہ میں مبسوط کے الفاظ یہ ہیں:۔ وام قوفة کان لها ثلاثون ابناً وکانت تحرضهم علی قتال المسلمین وفی قتلها کسر شوکتهم پس اسلامی تعلیم یہ ہے کہ مرد ہو یا عورت اگر اپنے تئیں ارتداد تک محدود رکھے تو کامل آزادی حاصل ہے اسلام اس سے تعرض نہیں کریگا۔ لیکن اگر وہ دائرہ اسلام سے نکلنے اور ارتداد اختیار کر لینے کے بعد حربی دشمنوں سے مل جائے یا بطور خود جنگ آزما ہونے لگے تو پھر وہ آخری حد یعنی سزائے موت کا مستوجب ہوگا ؛

فقہ اور مسئلہ ارتداد

یہ بتلانے کے بعد کہ مسئلہ ارتداد کے بارہ میں اسلامی فقہاء کیا خیال رکھتے ہیں، ہم اس موضوع کو ختم کر دینگے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ کے مصنف اس سوال پر بحث کرتے ہوئے کہ مرتد عورتوں کے قتل سے کیوں روکا گیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ "یہ حکم اس لئے ہے کہ عورتیں اپنی خلقت اور بناوٹ کے لحاظ سے جنگ کے ناقابل ہیں" پھر صاحب فتح القدیر کا قول ہے کہ "مرتدہ عورت کو صرف اس کی شرارتوں اور سازشوں سے روکنے کے لئے قتل کیا جا سکتا ہے، صرف ارتداد وجہ قتل نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس کی سزا جان لینے سے بہت زیادہ مؤخر کر رکھی ہے، پس قتل صرف اس مرتد کو کیا جا سکتا ہے جس نے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا ہو، اور ازیں کہ عام طور پر جنگ کے قابل صرف مرد ہی ہیں اور عورتیں اس "میدان کی مرد" نہیں، اس لئے عام حالت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ یا اس سے باہر عورتوں کے قتل سے روکا ہے"۔ (فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۳۳۹)۔ پھر چلپی میں ہے۔ "صرف کافر ہو جانیکی بناء پر کسی کو سزا نہیں دی جا سکتی، کیونکہ وہ سزا انسان کے اختیار ہی میں نہیں اور صرف اللہ تعالیٰ ہی اسے نافذ کر سکتا ہے" پھر عنایہ کے صفحہ ۳۹ پر یہ لکھا پاتے ہیں۔ "بجز جنگ مرتد کے قتل کی اجازت نہیں۔ صرف اسے ہی یہ سزا دی جا سکتی ہے جس نے مسلمانوں کے خلاف تلوار اُٹھائی ہو۔ محض کفر کسی کو اس سزا کا مستوجب نہیں بناتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اندھے لنگڑے اور پیر زال پر اسے نافذ نہیں کیا جا سکتا"

مرتدین سے عیسائیوں کا سلوک

بشر دوست اسلامی تعلیمات کے ہوتے ہوئے یہ کہنا انتہائی ظلم اور سخت بے انصافی ہے کہ اسلام کو تلوار کے زور سے اُٹھایا اور تلوار ہی کے زور سے بڑھایا گیا ہے۔ بیشک مسلمانوں نے تلوار اُٹھائی لیکن ان کا تلوار اُٹھانا خود حفاظتی کے لئے تھا، اور اسے اُٹھائے رکھنے کی بھی یہی غرض تھی، اور آئندہ بھی اگر کوئی ایسا موقعہ پیش آیا تو اسکے اُٹھانے میں انہیں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوگی۔ رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم جس ماحول میں تھے اس کے پیش نظر تعجب یہ نہیں کہ آپ نے اپنی تلوار کو بے نیام کیوں کیا بلکہ حیرت یہ ہے کہ اسقدر قلیل خونریزی سے آپ اسقدر عظیم الشان مقصد کے حاصل کرنے میں کیونکر کامیاب ہو گئے۔ اسلام نے کبھی دوسروں کے مذہبی عقائد سے تعرض نہیں کیا، کبھی غیروں کو اذیت نہیں پہنچائی سیاستہ المرتدین کے محاکمہ کے لئے "دیوان التفتیش" قائم نہیں کئے، اختلاف رائے کو دبانے، انسانی ضمیر کے پامال کرنے اور "الحاد" کے استیصال کے لئے کبھی اعضاء شکن اور ہلاکت آفرین آلات التعذیب، اور شکنجے ایجاد نہیں کئے۔ کوئی شخص بھی جسے تاریخ کا حقیقی علم ہو اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ مسیحی کلیسیا نے اپنی معصومیت کے تمام دعویٰ کے باوصف اور ان لوگوں سے جو کلیسیا سے دست بردار ہو گئے۔ یا جنہوں نے کسی دوسرے عقیدہ کی طرف میلان دکھایا جو سلوک روا رکھا گیا وہ بھی کچھ کم ظالمانہ اور بہیمانہ نہ تھا۔ زندہ جلانا۔ دار پر لٹکانا۔ زبان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ یا گدی سے کھنچوا دینا ان غریبوں کی عام سزائیں تھیں جو "شرکۃ مقدسہ" کی پیروی نہ کرتے تھے۔ خود انگلستان میں اس کے پروٹسٹنٹ ہو جانیکے بعد مدتوں یہ دستور رہا کہ پرسبٹیرین (Presbyterians) بیچارے زندانی بنائے جائے، انہیں نیمسوز کیا جاتا۔ آگ سے داغا جاتا۔ تازیانے لگائے جاتے۔ تماشائیوں کو دکھانے کیلئے انکی گردنوں اور ہاتھوں کو دو شاخوں میں باندھ کر سر راہ گذر رکھدیا جاتے پھر ایک ایک کر کے تمام اعضاء کاٹے جاتے۔ سکاٹ لینڈ کے پہاڑوں میں مجرموں کی طرح ان کی تلاش و جستجو ہوتی۔ ان کے کانوں کو جڑھ سے اکھیڑ دیا جاتا۔ گرم لوہے سے انہیں داغا جاتا انگشت توڑ آلہ سے ان کی انگلیاں توڑی جاتیں۔ "چکمہ" میں ڈالکر ان کی ٹانگوں کو مفلوج بنایا جاتا۔ سر بازار ان کی عورتوں کو تازیانے لگائے جاتے۔ کیتھولک بیچارے شکنجوں کے ذریعہ سخت اذیت پہنچا کر دار پر لٹکائے جاتے: بچپن میں بپتسمہ دیئے جانیکے مخالفین اور رابرین لوگوں کو زندہ جلا دیا جاتا۔ اور ان لوگوں کے حق میں جو عیسائی نہیں تھے۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کٹر یا غیر کٹر سب کے سب الکفر ملة واحدہ کے مصداق تھے۔ یہودی اور مسلمان "یسوعی عالم" کی حدود سے ماوراء تھے۔ انگلستان میں یہود کو جور و ستم کا نشانہ بنانے کے بعد کاٹھ پر لٹکا دیا جاتا۔ سپین میں مسلمانوں کو زندہ جلایا جاتا تھا۔ عیسائی یا یہودی یا عیسائی یا مسلمان کے درمیان شادی باطل اور ساقط از اعتبار ہوتی تھی اور اس "گناہ کبیرہ" کا مرتکب سزاوار تعزیر ہوتا تھا۔ آج بھی عیسائی امریکہ اس عیسائی حبشی کو زندہ جلا دیتا ہے اگر وہ کسی سفید فام عورت کیلئے خوف و ہراس کا موجب ثابت ہو۔ یہ ہیں وہ اثرات جو مسیحیت نے دنیا میں پیدا کئے[1]۔ یہ اس مذہب کا ریکارڈ ہے جس کے متبع اسلام کو تنگ ظرفی کا طعنہ دیتے اور یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسے بزور شمشیر پھیلایا ہے ؛

---

[1] دی سپرٹ آف اسلام

اسلام ہر قسم کی جنگ کو خلاف قانون نہیں قرار دیتا

ہر چند کہ تحمل، بردباری، امن پسندی اور عافیت کوشی کی صفات تعلیمات اسلامیہ کی رُوح ہیں۔ اور ہر چند کہ وہ بڑی سختی سے اس خیال کی تردید و تکذیب کرتی ہیں کہ "جنگ ایک بے حد اہم حیاتیاتی ضرورت اور ایسا ترتیب دہ عنصر ہے جس سے کسی آئینہ دستبرداری نہیں دی جا سکتی" جیسا کہ فلاسفر برن ہارڈی کا خیال ہے اور یہ کہ "جنگ کے بغیر دُنیا مادیت میں بدمست اور بے حس و حرکت ہو کر رہ جائیگی" جیسا فلاسفر مولٹکی نے کہا ہے، لیکن وہ پھر بھی اس نقطہ نگاہ کی تائید نہیں کرتیں کہ "ہر قسم کی جنگ لازماً بے فائدہ اور نفرت انگیز طور پر بے سود ہے" اسلام ایک عملی مذہب ہے اور اس میں کوئی جاہلانہ اور بے سود "فلسفہ فکریہ" نہیں۔ بیشک اسلام کے چند اصول و قوانین بعض کمزور جذباتی اور خواب آگیں افراد کو اپیل نہیں کرتے اور نہ ہی ان غیر عملی اور تصوّرات میں گم رہنے والوں کے لئے ان میں کوئی دلبستگی ہے جو زندگی کے کرخت حقائق سے آنکھیں بند کر کے اپنی ہی پیدا کردہ دُنیا میں رہنا چاہتے ہیں۔ لیکن اسلام ایک "نصب العینی" مذہب بھی ہے۔ اس نے انسانی حصول کے لئے اسے مصفاء رفیع اور کامل قوانین ترتیب دیئے ہیں کہ انسانی دماغ کسی ایسی چیز کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا جو انکی شوکت، عظمت اور رفعت کا لگّا بھی کھا سکے۔ اور پھر جہاں وہ یہ ترغیب دیتا ہے کہ ان کے حاصل کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے وہاں اس نے اس امر کی تعلیم و تلقین بھی کی ہے کہ معاملات جس طرح پیش آئیں انہیں اسی طرح لینا چاہیئے۔ اور ناقابل حصول تصوّرات اور خیال آرائیوں کے پیچھے لگ کر حقائق سے آنکھیں نہیں بند کر لینا چاہیئیں، اسلام نے دنیا میں مستقل امن قائم رکھنے کے لئے ایک طرف تفصیل قوانین ترتیب دیئے ہیں اور دوسری طرف اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا کہ اقوام و ملل عالم کی زندگی میں ایسے مواقع آسکتے ہیں کہ جب امن کے چھلاوہ کا پیچھا کرنا خودکشی کے مترادف ہوتا ہے، اسوقت اسلحہ بند ہو جانے ہی میں انسانیت کی بہترین خدمت ہوتی ہے۔ ایسے مواقع پر دشمنان امن سے جنگ، جنگ نہیں بلکہ جنگ رد کرنے کا ایک ذریعہ ہوتی ہے۔

"بدی کا بدلہ بدی سے مت لو" ایک ایسا اصول ہے جسپر کبھی عمل نہیں کیا گیا، اور جسے عملی جامہ پہنانے کی توفیق انہیں بھی ارزاں نہیں ہوتی جو اس کے خیالی اور ذہنی گنوں کے گنائے نہیں تھکتے، بدی کا مقابلہ بدی سے نہ کرو جب تمہیں یقین ہو کہ اسوقت مقابلہ نہ کرنا ہی بدکردار کے اخلاقی احیا کا موجب اور بحالیٔ امن کا ذریعہ ثابت ہوگا۔ لیکن جب معاملہ اس کے برعکس ہو تو اپنی تمام طاقت اور اپنے تمام ذرائع سے اس کا مقابلہ کرو۔ یہ اسلام کا بنیادی اصل ہے اور مبرہن طور پر انسانی فطرت کے اساسی قانون سے ہم آہنگ ہے۔ تعلیمات اسلامیہ پر یہ تمام لے دے، بدذوقی، محاسن ناآشنائی، اور نیک و

بدکی تمیز سے تہی دامنی اور بے مائیگی کی شرمندہ احسان اور مرہون منت ہے ۔

صواب و گناہ کی تعریف

انسان کی طبعی حالتوں کے متعلق بسا اوقات سہواً نیک و بد کا حکم لگا دیا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ اس کی فلاں صفات اچھی ہیں اور فلاں بری۔ حالانکہ (حقیقت یہ ہے کہ انسانی فطرت میں جو کچھ ودیعت کیا گیا ہے فی نفسہٖ نہ وہ برا ہے نہ اچھا) انسان کی طبعی حالتیں اور جبلی صفات فی نفسہٖ نہ اچھے نہ برے۔ ان کی بھلائی و برائی کا فیصلہ وہ مواقع کرتے ہیں جن میں ان کا ظہور ہوتا ہے، انسان کی طبعی حالتیں بالارادہ ترتیب اور تعدیل اور موقع بینی اور محل پر استعمال کرنے کے بعد اخلاق کا رنگ پکڑ لیتی ہیں۔" (اسلامی اصول کی فلاسفی)

سو بقول فلاسفر جان مل "یہ ایک طبعی اور فطری بات ہوگی اگر ہم کسی ایسی برائی کے خلاف جو ہم سے یا ہمارے اعزاء و اقارب سے کی گئی ہو اظہار نفرت و ملامت کریں، اس کے مقابلہ و دفاع میں کوشاں ہوں۔" اسلام کے تمام قوانین جنگ انہیں اظہار نفرت و حقارت، مقابلہ اور دفاع کی طبعی حالتوں کے برمحل استعمال پر مبنی ہیں، اسلام مستعمرانہ جنگوں کا قائل نہیں، اس نے تجاوز کار اور ایسی جنگوں کو پسند کیا ہے جو اجلال و اعزاز ذاتی کے لئے لڑی جائیں، وہ ایسی جنگوں سے بیگانہ اور ناآشنا ہے جو نئی منڈیوں کے حاصل کرنے اور مفتوحین کو آئین حکومت سکھانے کے لئے انیسویں صدی میں انگلستان نے لڑیں یا جو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا اٹلی نے "وحشیوں" کو تعلیم دینے اور تہذیب سکھانے کے بہانہ رسواکن اور افتضاح آور طور پر کیں جس میں ایک قوم کے تمام افراد کی آزادی کو چھین کر زہریلی گیس اور آتشیں سیال سے انہیں خاک و خون میں تڑپا ڈالا۔ لیکن جنگ کرنا اور اپنی عزت و مال یا اپنے ملک کی عزت و آزادی کے لئے قربان ہو جانا یقیناً ایک بہت بڑی خوبی ہے، اور نہ تو کسی ضابطہ اخلاق اور نہ ہی عدم مقابلہ کی ناقابل عمل مسیحی تعلیم کی رو سے دفاعی جنگ کو مستعمرانہ جنگ قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسلامی جنگوں کے اغراض و مقاصد

قرآن مجید ایک کامل و اکمل دستور اور قانونی ضابطہ ہے، اس لئے اس نے جائز اور صحیح جنگ کے وجوہات اور مواقع کو بھی بیان کیا ہے اور بتا دیا ہے کہ اس کے متبعین پر وہ کب فرض ہو جاتی ہے، ان وجوہات و مواقع میں سے پہلی وجہ اور پہلا موقع وہ ہے جب خود مسلمانوں پر حملہ کیا جائے جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے:-

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا	اذن ہے ان کو جن سے لوگ لڑتے ہیں اسلئے کہ ان پر ظلم کیا گیا

وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ۲۲:۳۹

اور اللہ ان کی نصرت پر قادر ہے۔ وہ جن کو نکالا گیا ان کے گھروں سے بغیر کسی گناہ کے۔ سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ربّ اللہ ہے۔ اور اگر اللہ نہ مدافعت کرتا بعض کی بعض سے تو ڈھائے جاتے تکئے۔ مدرسے، عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر و اذکار بہت ہوتا ہے اور ضرور اللہ مدد کریگا اس کی جو مدد کریگا دین الٰہی کی۔ اور اللہ تعالےٰ قوّت والا اور زور والا ہے ۔

قریباً تمام مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کرنے کی پہلی اجازت ان آیات میں ملی ہے، اور خود ان کے الفاظ اس اجازت کی وجہ کو بیان کرتے ہیں۔ اسلامیوں نے تیغیں اس لئے نہیں اُٹھائی تھیں تاکمزور و بے طاقت قوموں کو ان کے ملک و وطن سے محروم کر دیا جائے، ان کی ملی آزادی کو سلب کرلیا جائے اور ان کی گردنوں میں مہذّب و شائستہ بنانیکے نام پر غیر ملکی حکومت کا جُوا ڈالا جائے یا نئی منڈیاں تلاش کی جائیں اور جدید مستعمرات پر دستِ تصرّف دراز کیا جائے، بلکہ انہوں نے تلواریں اس لئے اُٹھائی تھیں تا دفاعی جنگیں کی جائیں، اور ان ناہنجاروں کے حملوں کا مقابلہ کیا جائے جنہوں نے مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے بجبر نکالنا اور اپنی آزادیٔ فکر اور حریت ضمیر کے حق سے محروم کرنا چاہا اور صرف توحید پرستی کے جرم میں ہجرت کے لئے مجبور کیا اور مسلمانوں کو عزیز و اقارب سے جُدا کرکے بھی ان ظالموں کے بہیمانہ جذبات کی تسکین نہیں ہوتی بلکہ اس کے بعد بھی انہوں نے چاہا کہ ان کی نئی پناہ گاہ (مدینہ) میں پہنچکر بھی انکی زندگیاں تلخ اور ان کا جینا عذاب کردیں۔ یہ ان انتہائی ظالمانہ اور سفاکانہ جنگوں کا دفاع ہی تھا جس کے لئے اپنی مرضی و منشاء کے خلاف مسلمانوں کو جنگ کے شعلوں میں کود جانا پڑا۔

اسلامی جنگوں کی دوسری غرض قرآن مجید نے **مختلف اقوام کی معابد کی حفاظت** قرار دی ہے، اور یہ آزادی ضمیر کا ہی دوسرا نام ہے، کیونکہ کسی مذہبی عبادتگاہ کو تباہی و بربادی سے بچانے کے یہی معنے ہیں کہ اس مذہب کے پیرو کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ جس طرح اور جس رنگ میں بھی چاہے عبادت الٰہی کرے۔

غرض یہی اسلامی جنگوں کی اوّلین اور اہم ترین غرض ہے اور ہمیشہ یہی ہوگی کہ آزادی ضمیر کے حق کو قائم کیا جائے اور ہر رنگ میں عبادت الٰہی کی اجازت ہو اور بلا اشتعال حملہ کے جواب میں جان، مال، عزّت

اور آزادی کی حفاظت کی جائے۔ کیا جنگ کی اس سے معقول تر بھی کوئی وجہ ہوسکتی ہے؟ اسی مضمون کو قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۞ ۲:۲۵۱

اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے مدافعت نہ کرائے تو زمین میں فساد پھیل جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت فضل کرنے والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۞ ۸:۷۳

اسلامی جنگوں کی دوسری وجہ کی ایک مختصر تشریح قرآن مجید کے ان الفاظ میں کی گئی ہے:۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۲:۱۹۳

اور ان سے اسوقت تک جنگ کرو کہ ملک میں فتنہ و فساد نہ رہے اور لوگ دین صرف خدا کیلئے قبول کریں (نہ کہ کسی ڈر سے) پھر اگر وہ رک جائیں تو تم بھی صرف ظالموں کو سزا دینا۔

جیسا بعض مسیحی مصنّفین نے کیا ہے اس آیت کے یہ معنے بھی لئے جاسکتے ہیں کہ مسلمانوں کفار سے جنگ کرو یہاں تک کہ یا وہ مر مٹ جائیں اور یا پھر حلقہ بگوش اسلام ہوجائیں تا بجز دین اسلام کے دُنیا میں کوئی اور دین نہ رہے، لیکن اس غلط تفسیر کے خلاف اسقدر آیات قرآنیہ اور ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک اسقدر مستند احادیث نبویہ ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی مسیحی مصنّف ہی کا دل گُردہ ہوسکتا ہے کہ اس آیت کے یوں غلط معنے کرے۔ قرآن مجید کی ہم ایک آیت درج کرتے ہیں جو مسیحی مصنّفین کی اس غلط تفسیر کی تردید کرتی ہے اور واضح طور پر بتلاتی ہے کہ آیت ویکون الدّین لِلّٰہِ میں دین سے مراد اسلام نہیں بلکہ تمام ادیان ہیں۔ قرآن مجید فرماتا ہے:۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۞ ۸:۳۹

اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ ملک فتنہ و فساد سے پاک ہوجائے اور لوگ مذہب صرف خدا کی وجہ سے قبول کریں پھر اگر وہ باز آجائیں تو تم بھی رُک جاؤ کہ خدا تمھارے اعمال سے آگاہ ہے۔

اسلام کو اپنی عالمگیر برتری کا احساس ہے

مندرجہ بالا آیات ثابت کرتی ہیں کہ اسلامی جنگوں کا مقصد آزادی ضمیر کے حق کو قائم کرنا تھا۔ آزادی ضمیر پر قرآن مجید کا اسقدر زور دینا ظاہر کرتا ہے کہ اسلام کو دیگر ادیان پر اپنی برتری کا احساس ہے۔ اور اس احساس کی پختگی اور

سنجیدگی کو تاریخی حقائق و شواہد بھی ثابت کرتے ہیں۔ اسلام امن و امان کی فضا اور اس سے زیادہ کسی چیز کا خواہاں نہیں۔ اس کے اصول و عقائد کا بے غرضانہ و غیر متعصبانہ مطالعہ کیا جائے، تمام دیگر مذاہب پر برتری اور فوقیت کا یہ احساس اور اس احساس کی صوابکاری کا اظہار قرآن مجید کی ایک اور آیت سے بھی ہوتا ہے:۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۳۴:۴:۲۵	مَیں تمہیں ایک ہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم دو دو اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ اور پھر خوب سوچو کہ تمہارے رفیق کو جنون نہیں وہ آنے والے عذاب شدید سے ڈرانے والا ہے ؛

قرآن مجید ان لوگوں کو جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور اسلام کے منجانب اللہ ہونے میں شک و شبہ ہے دعوت دیتا ہے کہ وہ آئیں اور انفرادی طور پر بے غرضانہ اسلامی اصول کا گہرا مطالعہ کریں اور مفرداً ہی نہیں بلکہ اس غرض سے مجالس بھی منعقد کریں اور پھر دیکھیں کہ انفرادی غور و فکر اور ایسی دینی مجالس کا یہی نتیجہ نکلیگا کہ دوسری تعلیمات کے مقابلہ میں خواہ وہ مذہبی اور روحانی ہوں یا سیاسی اور معاشرتی قرآنی تعلیمات بے انتہا برتر و اعلیٰ ثابت ہونگی۔ تب ان حالات میں جب کہ کسی مذہب کو اپنی بے مثال خوبیوں اور کمالات کا اسقدر یقین ہے کوئی تعجب زا بات نہیں اگر وہ مذہبی آزادی پر انتہائی زور دیتا ہے ؛

اسلام اور احترام معاہدات

قرآن مجید کی ایک آیت میں مسلمانوں کو معاہدہ شکن لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسلامی جنگوں کی ایک دوسری غرض یہ بھی ہے کہ بین الاقوامی معاہدات کی خلاف ورزی کا سدِّباب کیا جائے۔ اسلام تمام بین الاقوامی معاہدات و مواثیق کو قابل احترام جانتا ہے اور اپنے متبعین کا فرض قرار دیتا ہے کہ وہ معاہدہ شکن قوم سے جنگ کریں۔ کسی عہدنامہ یا میثاق کو محض ایک پرزہ کاغذ سمجھنے کا تو کوئی مسلمان تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ یہ مغرب کی نام نہاد مہذّب اقوام میں معاہدات کی خلاف ورزی کر کے جن کی جبینوں پر عرق انفعال کا ایک قطرہ بھی نمودار نہیں ہوتا۔ ہر ہٹلر نے معاہدہ لوکارنو کی صریح مخالفت کرتے ہوئے رائن لینڈ کو پھر سے اپنی افواج کا مستقر بنا لیا۔ میسولینی نے جمعیۃ الاقوام کے میثاق کے علی الرغم کمزور و ناتواں ابی سینیا کو روند ڈالا اور جبکہ ایک مسیحی ملک دوسرے مسیحی ملک کے حصے بخرے کر رہا تھا تمام مسیحی دنیا ٹکٹکی کی ٹکٹکی رہ گئی۔ میسولینی نے یہ ظالمانہ حملہ کر کے جمعیۃ الاقوام کے معاہدہ کو توڑا اور جمعیۃ الاقوام ظالم کے مقابلہ

میں مظلوم کی امداد نہ کرکے ہتک ناموس کی مرتکب ہوئی، لیکن قرآن مجید میں ایسی بے راہ رویوں کی اجازت نہیں دی گئی وہ فرماتا ہے :-

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ۹:۱۳

کیا تم اس قوم سے جنگ نہیں کروگے جنہوں نے اپنا معاہدہ توڑ ڈالا اور رسولؐ کو نکال دینے کا ارادہ کرلیا اور جنگ کی پہل کی۔ کیا تم ان سے ڈروگے ہرگز نہیں کیونکہ اللہ ہی اس بات کا حقدار ہے کہ اس کی خشیت رکھی جائے اگر تم مومن ہو ۔

مسلمانوں کے جنگ کرنے کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے دبے ہوئے اور مظلوم بھائیوں کی امداد کرسکیں۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے :-

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ○ ۴:۷۵

اور کیا ہے تم کو جو جنگ نہ کرو اللہ کی راہ میں بحالیکہ کمزور مرد اور عورتیں اور بچے پکار رہے ہیں کہ اے ہمارے ربّ ہمیں اس قریہ سے نکال جس کے اہل ظالم ہیں۔ ہمارے لئے اپنی جناب سے کوئی ولی الامر بنا اور ہمیں اپنی جناب سے نصرت سے دے ۔

یہ آیت کفّار مکّہ سے جنگ کی اجازت کے بعد نازل ہوتی ہے۔

پھر ایک اور گروہ جس سے مسلمانوں نے جنگ کی وہ ان رہزنوں، خونیوں، غارتگروں اور قاتلوں کا تھا جو ملک میں بدامنی پھیلاتے اور ایک جائز طور پر قائم شدہ حکومت کے خلاف جنگ آزما ہوتے تھے، ایسے لوگوں کے متعلق یہ تسلیم کرلیا گیا تھا کہ انہوں نے خدا اور خدا کے رسول کے خلاف جنگ کی ہے اس لئے اپنی زندگیوں کے حق سے محروم ہوچکے ہیں قرآن مجید فرماتا ہے :-

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں انکی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کئے جائیں۔ صلیب دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں بوجہ خلاف ورزی قطع کئے جائیں یا ملک بدر کردیئے جائیں یہ انکے لئے

خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○	دُنیا میں ذِلّت و رسوائی کا نشان ہے اور آخرت میں عذاب عظیم ہے ❊

غرض قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات بتلاتی ہیں کہ مسلمانوں کو جنگ میں حصّہ لینے کی صرف اسوقت ضرورت ہے جب اوّل تو انہیں دفاع کی ضرورت پیش آئے اور دشمن ان سے اس لئے جنگ کریں تا اسلام کو برباد کیا جاسکے، ایسے وقت میں دفاع کیلئے جنگ نہ کرنیکا یہ مطلب ہے کہ اسلام کو برباد ہونے دیا جائے، دوئم دشمن معاہدہ کی خلاف ورزی کرے۔ سوئم مسلمانوں کو ان کے غیر مسلم حاکم نشانہ جور و جفا بنائیں۔ لیکن اس صورت میں شرط یہ ہے کہ اس حکومت اور مسلمانوں کے مابین پہلے سے اعلان جنگ ہوچکا ہو۔ چہارم غارتگر، خونی، ڈاکو، مُلک کے امن و امان کو برباد کرنے کے مرتکب ہوں ❊

اسلام قومی تفوق اور مستعمرانہ جنگوں کا قائل نہیں

جہاں تک ہم سمجھتے ہیں صرف یہی وہ مواقع ہیں جن پر مسلمانوں کو جنگ کرنیکی اجازت ہے۔ اور ہم نہیں سمجھتے کوئی صحیح الدماغ انسان ان میں سے کسی وجہ کو ناواجب و غیر درست قرار دیگا۔ بخلاف مسیحی دُنیا کے اسلام استعماریت اور قومی برتری اور فوقیت کے اصل کو تسلیم نہیں کرتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں مستعمرانہ جنگوں کی اجازت نہیں اور نہ ہی اس بات کی اجازت ہے کہ مفروضہ غیر مہذّب اقوام کو اپنی "برتر و اعلیٰ" تہذیب و کلچر سکھانے کے نام پر بتلائے جنگ کر دیا جائے۔ آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے۔ اور اسے کسی دلیل سے بھی اسوقت تک اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا جبتک وہ دوسروں کے اس حق کو سلب کرنیکی کوشش میں خود ہی اس حق کو ضائع کر دے، کوئی قوم کسی دوسری قوم سے جنگ کرنے کی طرف مائل ہوسکتی ہے تا اقتصادی منافع حاصل کرے یا اپنی مفروضہ برتر و اعلیٰ ثقافت سے انہیں مستفیض کرے لیکن قرآن مجید ان دونو میں سے کسی کی بھی اجازت نہیں دیتا ❊

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ○ ۲۰ : ۱۳۱	اور نہ لگا اپنی آنکھیں اس ساز و سامان زندگی پر جو ہم نے مختلف طبقوں کو دے رکھا ہے ہم اس میں ان کی آزمائش کرتے ہیں اور تیرے ربّ کی دی ہوئی روزی ہی بلحاظ انجام بہتر اور دیرپا ہے ❊

پھر قومی اور نژادی تفوّق و برتری کے شرارت آمیز نظریہ کے متعلق فرماتا ہے کہ ایک ایسی قوم کو جو ترقی، کامرانی اور سعادت کی طرف قدم بڑھا رہی ہے کسی دوسری قعر مذلّت میں گری ہوئی قوم کو حقیر و ذلیل جانکر دشمنی و عداوت کے بیج نہیں بونے چاہئیں۔ کیونکہ بالکل ممکن ہے کہ آج کی ذلیل و

حقیر قوم کل کسی دوسری قوم کی اسیر ثابت ہو۔

یقیناً اسوقت تک بین الاقوامی جنگوں کا خاتمہ نہیں ہو سکتا جبتک تمام نوع انسان کو ایک قوم سمجھ لیا جائے۔ اور یہ نہ جان لیا جائے کہ عروج یا زوال کسی قوم کی موروثی چیزیں نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو کوئی قوم ہمیشہ برومند اور صاحب شان و شوکت ہی رہتی ہے اور نہ ہی اس کی قسمت میں ابدی نکبت داد بار ہوتا ہے۔ نہیں کہا جاسکتا مستقبل میں بطن گیتی سے ان کے لئے کیا حالات پیدا ہونگے۔ یقیناً ان آتش فشاں قوتوں نے اپنا کام بند نہیں کردیا جو کسی قوم کو عروج کے ذروۂ کمال تک پہنچا نیوالی یا نکبت و ادبار کے تحت الثرےٰ میں گرا دینے والی ہیں۔ قدرت اپنے ارادوں کو پہلے کی طرح آج بھی پوری قوت اور فعالیت سے پورا کر رہی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان تاریخی الفاظ میں جو حضورؐ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر مسلمانوں کے ایک وسیع اجتماع میں فرمائے۔ قوم، رنگ اور نسل کی بنیاد پر کسی قومی بزرگی اور برتری کے سراسر غلط نظریہ کو یک قلم ختم کردیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

لَيْسَ لِلْعَرَبِيِّ فَضْلٌ عَلَى الْعَجَمِيِّ وَلَا لِلْعَجَمِيِّ فَضْلٌ عَلَى الْعَرَبِيِّ كُلُّكُمْ اَبْنَاءُ آدَمَ وَآدَمُ مِنَ التُّرَابِ (زاد المعاد)

نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے اور نہ کسی عجمی کو عربی پر۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم خاکی نژاد ٭

سراپائے رسولؐ یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جو سیرۃ نبوی پر جناب قدوسی واعظ سرکار عالی حیدرآباد۔ دکن نے تالیف فرما کر شائع کیا ہے جس میں رحمۃ للعالمین کا حلیہ مبارک اور آپکے عادات۔ خصائل لباس۔ معاشرت اخلاق۔ آداب و اطوار اور عام طرز زندگی کے متعلق تمام معلومات عام فہم۔ سہل اور سلیس زبان میں جمع کردی ہیں۔ میں نے اسے بامعان نظر اول سے آخر تک مطالعہ کیا ہے اور مسلمان بچوں اور خواتین اور عامۃ الناس کیلئے بہت ہی مفید پایا ہے۔ جو بات لکھی ہے معتبر روایت کی بناء پر قیمت ۶؍ علاوہ محصولڈاک۔ دفتر رسالہ ترجمان القرآن حیدرآباد۔ دکن سے طلب کیجئے ٭

اسلام کا مہرشی مرتبہ قاضی عابد علی صاحب بلہوری جو ناظم صاحب تبلیغ کے جمعیہ مرکزیہ تبلیغ الاسلام انبالہ شہر نے شائع فرمایا ہے یہ رسالہ سیرۃ نبوی بہت مفید اور پراز معلومات ہے غیر مذاہب کی کتب سے حضور کی نسبت جو بشارات ہیں وہ بھی درج ہیں اور نیز غیر مسلم فضلاء کی آراء جو حضورؐ کی سیرت کے متعلق ہیں وہ بھی درج کردی ہیں۔ ہندی میں بھی چھاپا گیا ہے۔ تبلیغی مقاصد کیلئے بہت کارآمد چیز ثابت ہوگی ٭

(ایڈیٹر)

معجزات یسوع کی حقیقت

عیسائی لوگ حضرت مسیح کو خدا منوانے کے لئے جہاں اور کئی دلائل پیش کرتے ہیں وہاں ایک دلیل ہاں زبردست دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ پر بعض ایسے امور کا ظہور ہُوا جو خارق عادت تھے۔ اور عام انسانوں کے اقتدار سے باہر تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے اندر انسانی قویٰ کے علاوہ خدائی قوٰی موجود تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناً وہ معجزات یا خارق عادت امور ان سے ظہور پذیر نہ ہوتے۔

اس دلیل کے پیش نظر ضروری اور مناسب معلوم ہُوا۔ کہ حضرت یسوع کے معجزات پر ایک نظر ڈالی جائے تا حقیقت واضح ہو کر الوہیت کا دیو اپنی اصلی شکل میں نظر آجائے۔ سو اس کے لئے میں بالاختصار چند باتیں ذیل میں درج کرتا ہوں:۔

(۱)

(الف)

بائیبل سے نہایت وضاحت سے اس بات کا ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ یسوع مسیح ہی نہیں بلکہ بعض جھوٹے اور جادوگر لوگوں کے ہاتھوں پر بھی معجزات اور حق کا ظہور ہُوا۔ مثلاً لکھا ہے۔ "موسیٰ اور ہارون فرعون کے پاس گئے اور انہوں نے خدا کے حکم کے مطابق کیا اور ہارون نے اپنی لاٹھی فرعون اور اسکے خادموں کے سامنے ڈالدی اور وہ سانپ بن گئی۔ تب فرعون نے بھی داناؤں اور جادوگروں کو بُلایا اور مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا کیا کیونکہ انہوں نے بھی اپنی اپنی لاٹھی سامنے ڈالدی اور وہ سانپ بن گئیں۔ لیکن ہارون کی لاٹھی ان کی لاٹھیوں کو نگل گئی۔" (خروج باب ۷ آیت ۱۰ - ۱۲)

پھر "اس نے لاٹھی لیکر اسے فرعون اور اس کے خادموں کے سامنے دریا کے پانی پر مارا اور دریا کا پانی سب خون ہوگیا اور دریا کی مچھلیاں مرگئیں اور دریا سے تعفن اُٹھنے لگا اور مصری دریا کا پانی پی نہ سکے اور تمام ملکِ مصر میں خون ہی خون ہوگیا۔ تب مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا ہی کیا۔"

(خروج باب ۷ آیت ۲۰ - ۲۲)

پھر لکھا ہے۔ کہ "جتنا پانی مصر میں تھا اس پر ہارون نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور مینڈک چڑھ آئے اور مصر کے ملک کو ڈھانک لیا۔ اور جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا ہی کیا۔ اور مصر کے ملک پر مینڈک

چڑھا لائے" (خروج باب ۸ آیت ۶ - ۷)

جھوٹے نبی اور خواب بین کی بابت موسیٰؑ کی کتاب میں لکھا ہے۔ کہ "اگر تمہارے درمیان کوئی نبی یا خواب دیکھنے والا ظاہر ہو۔ اور تم کو کسی نشان یا عجیب بات کی خبر دے اور وہ نشان یا عجیب بات جس کی اُس نے تم کو خبر دی وقوع میں آئے اور وہ تم سے کہے کہ آؤ ہم اور معبودوں کی جن سے تم واقف نہیں، پیروی کر کے ان کی پوجا کریں تو تم ہرگز اس نبی یا خواب دیکھنے والے کی بات کو نہ سُننا۔ کیونکہ خداوند تمہارا خدا تم کو آزمائیگا" (استثناء باب ۱۳ آیت ۱-۳)

حضرت مسیح علیہ السلام آخری زمانہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ "جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اُٹھ کھڑے ہونگے اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھلاوینگے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کرلیں" (متی باب ۲۴ آیت ۲۴) حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں ہی ایک شخص تھا جو گو حضرت مسیح کا پیرو نہ تھا مگر معجزات دکھاتا تھا عیسائیوں نے یسوع کے پاس اس کی شکایت بھی کی مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ (مرقس باب ۹ آیت ۳۸ - ۳۹)

پھر لکھا ہے۔ کہ "اس سے پہلے شمعون نام ایک شخص اس شہر میں جادوگری کرتا تھا اور سامریہ کے لوگوں کو حیران رکھتا اور یہ کہتا تھا کہ میں بھی کوئی بڑا شخص ہوں اور چھوٹے سے بڑے تک سب اس کی طرف متوجہ ہوتے اور کہتے تھے کہ یہ شخص خدا کی وہ قدرت ہے۔ جسے بڑی کہتے ہیں" (اعمال باب ۸ آیت ۸ - ۹)

اور سب سے عجیب بات یہ ہے۔ کہ عیسائیوں کی مسلّمہ کتاب میں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لکھا ہے۔ کہ بُری رُوح جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوگی وہ "ہر طرح کی جھوٹی قدرت اور نشانوں اور عجیب کاموں کے ساتھ" ہوگی۔

(۲ تھسلیکیوں باب ۲ آیت ۸ - ۱۰)

پس اگر معجزات اور نشانات کا ظہور مسیح کے ہاتھوں پر ہُوا تو جادوگر، جھوٹے نبیوں اور شیطان کے ہاتھوں پر بھی تو ہُوا ہے۔ کیا عیسائی دوست انہیں بھی اُلوہیت کے مستحق قرار دینگے؟

پس اگر جادوگر، جھوٹے نبی وغیرہ نشانات اور خوارق کی وجہ سے اپنے آپکو پاک بھی قرار نہیں دے سکتے تو ان کی وجہ سے یسوع کی اُلوہیت کو کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے ✣

(۲)

معجزات یسوع کی تحقیق کے ضمن میں ایک اور امر جس کو مدّ نظر رکھنا ضروری ہے۔ یہ بھی ہے کہ ان معجزات کے روایت کرنیوالوں کے حالات کیسے تھے۔ کیونکہ ان معجزات کا بہت سا انحصار ان کے معتبر اور غیر معتبر ہونے پر بھی ہے۔ اگر تو یہ ثابت ہو جائے کہ ان باتوں کا راوی فی ذاتہٖ ثقہ معتبر اور قابل اعتماد تھے تو ہمیں

ان کے ماننے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو کہ وہ راوی کم فہم، کمزور ایمان اور سست اعتقاد تھے تو اس صورت میں ہمیں یہ حق حاصل ہوگا کہ ہم ان کی روایات کو دائرہ اعتقاد سے خارج سمجھیں اور اپنے ایمان کا دار و مدار ان روایات واہیہ پر نہ رکھیں کہ جن کی صداقت پر خود ہمیں شک و شبہ کی کافی گنجائش ہے۔

انجیل کے پڑھنے والے جانتے ہیں۔ کہ معجزات مسیح کے راوی "نادان" اور "سست اعتقاد" تھے (لوقا باب ۲۴ آیت ۲۵) یہاں تک کہ معمولی تماثیل سمجھنے سے بھی قاصر تھے۔ اسی لئے آپ انہیں خلوت میں اُن تمثیلوں کے معنی سمجھاتے (مرقس باب ۴ آیت ۳۴) اور کم فہم ہونیکے علاوہ کمزور دل تھے۔ چنانچہ جب یسوع کو یہود نے پکڑا تو "سارے شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے"۔ (متی باب ۲۶ آیت ۵۶)۔ (مرقس باب ۱۴ آیت ۶۶-۷۲)۔ (متی باب ۲۶ آیت ۶۹-۷۵) دراصل قوم بنی اسرائیل تھی ہی ڈرپوک۔ ذراسی بات پر دہشت کھا جاتے اور آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے ہیرودیس، اپنے حاکم کی آواز سنی تو یہ "لوگ پکار اُٹھے کہ یہ تو خدا کی آواز ہے۔ نہ انسان کی"۔ (اعمال باب ۱۲ آیت ۲۲) اور جب ایک جادوگر نے بعض شعبدے دکھلائے تو کہنے لگے کہ "یہ شخص خدا کی وہ قدرت ہے جسے بڑی کہتے ہیں"۔ (اعمال باب ۸ آیت ۱۰)

ایسے لوگ جو ایک معمولی آواز سُنکر اُسے خدائی آواز قرار دیتے ہیں۔ اور جو بعض شعبدوں سے اس قدر متأثر ہوتے ہیں کہ اس شعبدہ باز کو خدائی بڑی قدرت خیال کرنے لگ جاتے ہیں۔ اگر یسوع کے معمولی معجزات کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کریں تو کوئی عجیب اور حیرت انگیز بات نہیں۔ اور واقع میں یہ صحیح بھی ہے۔ کہ انہوں نے آپ کے معجزات کو بہت بڑی شان کے ساتھ پیش کرنیکی کوشش کی ہے۔ یوحنا تو یہاں تک لکھنے کی جرأت کرتا ہے۔ کہ "اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے اگر وہ جُدا جُدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں ان کے لئے دُنیا میں گنجائش نہ ہوتی"۔ (یوحنا باب ۲۱ آیت ۲۵)

یہ عبارت اور اس جیسی اور عبارتیں اس امر کا قطعی ثبوت ہیں کہ معجزات یسوع کے راویوں نے اپنے بیان میں نہایت ہی مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے۔ اس صورت میں آپ کے چند معجزات کی حقیقت سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی ؛

(۳)

حضرت یسوع کے نزدیک پطرس ایک اچھی ہستی کا مالک تھا۔ حتیٰ کہ آپ نے اُسے ایک دفعہ کہا "میں یہ بھی تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پطرس ہے۔ اور میں اس پتھر پر اپنی کلیسیا بناؤنگا اور دوزخ کا اختیار اسپر نہ چلیگا اور میں آسمان کی بادشاہت کی کُنجیاں تجھے دونگا جو کچھ تو زمین پر بند کریگا آسمان پر بند کیا جائیگا

اور جو کچھ تُو زمین پر کھولیگا آسمان پر کھولا جائیگا۔" (متی باب ۱۶ آیت ۱۸ - ۱۹)

جب اس عالی مرتبہ شاگرد نے اپنے اردگرد لوگوں کو جمع کرنا چاہا، تو بنی اسرائیل کے سوا دوسری اقوام کی طرف متوجہ ہُوا۔ وہ لوگ حرام اشیاء کھاتے تھے۔ اس نے بھی ان کے ساتھ مل کر حرام کھانا شروع کر دیا۔ مگر عام مسیحی لوگ جن پر ابھی عیسائیت کا نیا ہی روپ چڑھا تھا اور ان کے دلوں میں عیسائیت کے احکام کی کسی قدر قدر بھی تھی اس بات کو کس طرح گوارا کر سکتے تھے۔ انہوں نے اس سے گفتگو شروع کی۔ بات بہت بڑھ گئی پطرس ظاہری احکام کی بابت تو کوئی معقول تردید یا توجیہ نہ کر سکا اس لئے آخر اپنی ایک خواب پیش کر دی اور اسے بطور حُجّت کے پیش کر دیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے سب حرام اشیاء کھانے کی بھی اجازت فرما دی ہے۔ (اعمال باب ۱۱ آیت ۱ - ۹)

توریت میں سوٗر وغیرہ حرام اشیاء کو استعمال کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اور حضرت یسوع نے بھی کئی بار سوٗر کو بُری صورت میں پیش کیا ہے۔ مگر پطرس، آپ کا سب سے بڑا اور مخلص مرید اپنی خواب کو حُجّت ٹھیرا کر الٰہی احکام کو ردّی کی طرح پس پُشت ڈالتا ہے۔ اللہ!

اسی طرح یسوع کا ایک اور مُرید، ہاں رسول جو پولس کے نام سے مشہور ہے (اعمال باب ۲۶ آیت ۱۴ - ۱۸) جو اپنے متعلق کہتا ہے۔ کہ "میں اپنے تئیں سب سے بڑے رسولوں سے کچھ کم نہیں سمجھتا ہوں اور اگرچہ کلام میں عوام ہوں پر علم میں نہیں" (اعمال باب ۱۱ آیت ۵) اس کا یہ حال ہے۔ کہ وہ بائیبل کی آیات میں بہت دلیری سے تحریف کرتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے کلام میں تغیّر و تبدّل سے نہیں ڈرتا ؛

مثلاً وہ کہتا ہے۔ "پس کیا تعجب ہے۔ اگر خدا اپنا غضب ظاہر کرنے اور اپنی قدرت آشکارا کرنے کے ارادہ سے غضب کے برتنوں کے ساتھ جو ہلاکت کے لئے طیار ہوئے تھے نہایت تحمل سے پیش آیا اور یہ اس لئے ہُوا کہ اپنے جلال کی دولت رحم کے برتنوں کے ذریعہ سے آشکارا کرے جو اس نے جلال کے لئے پہلے سے طیار کئے تھے یعنی ہمارے ذریعہ سے جنہیں اس نے نہ فقط یہودیوں میں سے بلکہ غیر قوموں میں سے بھی بُلایا۔ چنانچہ ہوسیع کی کتاب میں بھی خدا یوں فرماتا ہے :-

"جو میری اُمّت نہ تھی اسے اپنی اُمّت کہونگا۔
اور جو ہماری نہ تھی اسے پیاری کہونگا۔
اور ایسا ہوگا کہ جس جگہ ان سے کہا گیا تھا کہ تم میری اُمّت نہیں ہو۔
اس جگہ وہ زندہ خدا کے بیٹے کہلائینگے۔" (رومی باب ۹ آیت ۲۲ - ۲۶)

آؤ اب ہم اس عبارت کو جو پولس نے ہوسیع کی طرف منسوب کی ہے اور اس عبارت کو جو ہوسیع میں موجود

ہے۔ ملادیں تاکہ ہمیں معلوم ہو دونو میں کیا فرق ہے۔ ہوسیع کی محولہ بالا عبارت دراصل یوں ہے:۔
"تو بھی بنی اسرائیل دریا کی ریت کی مانند بے شمار و بے قیاس ہونگے اور جہاں ان سے یہ کہا جاتا تھا کہ تم میرے لوگ نہیں ہو۔ زندہ خدا کے فرزند کہلائینگے" (ہوسیع باب ۱۔ آیت ۱۰) پھر آگے لکھا ہے کہ:۔
"وہ یزرعیل کی سنینگے اور مَیں اس کو اس سرزمین میں اپنے لئے بوؤنگا اور لورحامہ پر رحم کرونگا اور لوعمی سے کہونگا تم میرے لوگ ہو۔ اور وہ کہینگے اے ہمارے خدا!" (ہوسیع باب ۲ آیت ۲۳)
ان دونو عبارتوں میں دو تین طرح کا اختلاف پایا جاتا ہے:۔
(۱) دو عبارتوں کو ایک عبارت بنا دیا گیا۔
(۲) اور پھر ہر دو عبارتوں میں تغیر کیا گیا۔
(۳) وہ دونو عبارتیں بنی اسرائیل سے تعلق رکھتی ہیں۔ مگر کہا گیا ہے کہ یہ عبارتیں دوسری اقوام سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس صورت میں اختلاف اظہر من الشمس ہے۔
اس کے علاوہ اس کا یہ قول بھی قابل نظر ہے:۔ "میں یہودیوں کے لئے یہودی بنا۔ تاکہ یہودیوں کو کھینچ لاؤں۔ جو لوگ شریعت کے ماتحت نہیں ہیں ان کے لئے شریعت کے ماتحت بنا۔ تاکہ شریعت کے ماتحتوں کو کھینچ لاؤں اگرچہ خود شریعت کے ماتحت نہ تھا۔ بے شرع لوگوں کے لئے بے شرع بنا۔ تاکہ بے شرع لوگوں کو کھینچ لاؤں (اگرچہ خدا کے نزدیک بے شرع نہ تھا بلکہ مسیح کی شریعت کے تابع تھا) کمزوروں کیلئے کمزور بنا تاکہ کمزوروں کو کھینچ لاؤں۔ میں سب آدمیوں کے لئے سب کچھ بنا ہوں۔ تاکہ کسی طرح سے بعض کو بچاؤں"
(۱ کرنتھیوں باب ۹ آیت ۲۰-۲۲)
پطرس اور پولوس کے ان مختصر سے حالات سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کہ یسوع کے دوسرے حواریوں کا کیا حال ہوگا اور جو لوگ ان کے بعد آئے یعنی جنہیں یسوع سے ملنے کا موقع ہی نہیں ملا مثلاً لوقا اور مرقس انکی حالت کیسی ہوگی۔ چنانچہ یقیناً اس بات کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے بیانات میں جو صرف معجزات سے تعلق رکھتے ہیں بہت سا تناقض پایا جاتا ہے مثلاً
(۱) مرقس لکھتا ہے "اور جب یسوع کشتی پر پھر پار آیا بڑی بھیڑ اس پاس جمع ہوئی اور وہ دریا کے نزدیک تھا۔ اور دیکھو کہ عبادت خانے کے سرداروں میں سے ایک شخص جس کا نام جائرس تھا آیا اور اسے دیکھ کر اس کے قدموں پر گرا اور یہ کہکے کہ میری چھوٹی بیٹی مرنے پر ہے۔ اس کی بہت منت کی کہ وہ آوے اور اپنے ہاتھ اس پر رکھے کہ وہ چنگی ہو تو وہ جئے گی" (مرقس باب ۵ آیت ۲۱-۲۴)
اس عبارت سے ظاہر ہے۔ کہ اُس سردار کی لڑکی ابھی فوت نہ ہوئی تھی۔ بلکہ صرف مرنے کو تھی۔ اور

سردار نے یسوع سے اُس لڑکی کو چنگا کرنے کی درخواست کی۔ مگر متی اس کے خلاف یوں لکھتا ہے۔ کہ اُس سردار نے یسوع سے آکر یہ کہا کہ میری لڑکی مر چکی ہے، چنانچہ اس کی عبارت یوں ہے:۔ "جب وہ (یسوع) ان سے یہ باتیں کہہ رہا تھا دیکھو ایک سردار نے آکر اُسے سجدہ کیا اور کہا میری بیٹی ابھی مری ہے۔ لیکن تو چل کر اپنا ہاتھ اس پر رکھ تو وہ زندہ ہو جائیگی۔" (متی باب ۹ آیت ۱۸)

اب قابل غور امر ہے۔ کہ مرقس تو سردار کی بات کو یوں نقل کرتا ہے۔ کہ:۔ "میری بیٹی مرنے کو ہے" اور متی اسی سردار کی بات کو نقل کرتا ہوا لکھتا ہے، کہ اُس نے کہا کہ "میری بیٹی ابھی مری ہے" اور یقیناً ان دونوں نقلوں کا نتیجہ ایک نہیں بلکہ دو ہیں۔ اگر مرقس کی عبارت کو تسلیم کیا جائے۔ اور یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ یسوع کی رُوحانیت نے اس لڑکی پر اثر ڈالا تو اُس کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ یہ ماننا پڑیگا کہ اُس نے ایک قریب الموت انسان کو چنگا کر دیا۔ لیکن اگر متی کی نقل کردہ عبارت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ یسوع نے اس لڑکی کو قوتِ اعجاز سے متاثر کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُس کے ہاتھ سے ایک مرا ہوا زندہ ہوا۔

پس یہ اختلاف اس امر کی ایک بیّن شہادت ہے۔ کہ اگر متی نے مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے۔ تو مرقس نے صحیح واقعہ پیش نہیں کیا۔ اور اگر مرقس کا قول صحیح ہے۔ تو متی نے صحیح نہیں کہا ؛

(۲) اسی طرح لوقا اور مرقس لکھتے ہیں کہ جب یسوع یریحو سے نکلا تو اُسے ایک اندھا ملا جسے اُس نے اچھا کیا۔ لکھا ہے: "پھر ایسا ہوا کہ جب وہ یریحو کے نزدیک آیا ایک اندھا راہ پر بیٹھا بھیک مانگ رہا تھا، اس نے جانیوالوں کا شور سُنکر پوچھا کہ کیا ہے؟ تب انہوں نے اسے کہا کہ یسوع ناصری جاتا ہے۔ اس نے پکار کے کہا اے یسوع بن داؤد۔ مجھ پر رحم کر۔ انہوں نے جو آگے جاتے تھے اسے ڈانٹا کہ چپ رہ۔ پر وہ اور بھی چلّایا کہ اے ابن داؤد مجھ پر رحم کر۔ تب یسوع نے ٹھہر کے فرمایا کہ اس کو میرے پاس لاؤ۔ جب نزدیک آیا۔ اس نے اس سے پوچھا تو کیا چاہتا ہے۔ کہ میں تیرے واسطے کروں اس نے کہا اے خداوند! یہ کہ مجھے آنکھیں ملیں یسوع نے اس سے کہا کہ پھر بینا ہو تیرے ایمان نے تجھے چنگا کیا وہ اسی دم دیکھنے لگا اور خدا کی تعریف کرتا ہوا اس کے پیچھے چلا۔" (لوقا باب ۱۸ آیت ۳۵-۴۳)۔ (مرقس باب ۱۰ آیت ۴۶-۵۲)

مگر متی لکھتا ہے۔ کہ "جب وہ یریحو سے روانہ ہونے لگے بڑی بھیڑ اس کے پیچھے ہولی اور دو اندھے جو راہ کنارے بیٹھے تھے جب انہوں نے سُنا کہ یسوع چلا جاتا ہے۔ پکارنے لگے کہ اے خداوند ابن داؤد ہم پر رحم کر پر جماعت نے انہیں ڈانٹا کہ چپ رہیں لیکن وے اور بھی چلّائے اور بولے کہ اے خداوند ابن داؤد ہم پر رحم کر۔ تب یسوع کھڑا رہا اور انہیں بُلا کر کہا تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے کروں

اُنہوں نے اُسے کہا کہ اے خداوند! ہماری آنکھیں کُھل جائیں یسوع کو رحم آیا اور ان کی آنکھوں کو چھوا اور اسی دم ان کی آنکھیں بینا ہوئیں اور وے اس کے پیچھے ہو لئے۔" (متی باب ۲۰ آیت ۲۹-۳۴)

پس تیسری بات جو معجزات یسوع کی حقیقت کو واضح کرتی ہے۔ وہ راویوں کا آپس میں اختلاف ہے۔ اگر وہ معجزے یقینی ہوتے تو ان میں اس قدر اختلاف نہ ہوتا۔ اور راویوں کو ان کا یقین ہوتا۔ تو ان کے بیانات متناقض نہ ہوتے۔

(۴)

ایک اور بات جو معجزات یسوع کی حقیقت کے معلوم کرنے میں ممد ہو سکتی ہے۔ یہ ہے۔ کہ جن الفاظ میں ان معجزات کو بیان کیا گیا ہے۔ وہ بائیبل میں کئی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ جسکی وجہ سے ہم ان معجزات کی اس حقیقت تک جو عیسائی صاحبان بیان کرتے ہیں پہنچنے سے قاصر ہیں۔ ہم ہی نہیں بلکہ ہر ایک عقلمند انسان کو اس امر کے تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ بعض معجزات کی تفصیلی معنے جو عیسائیوں نے کئے ہیں۔ وہ یسوع کے اپنے کلام سے ردّ شدہ ٹھہرتے ہیں۔

مثلاً یسوع کا سب سے بڑا معجزہ جو عیسائیوں کی زبان پر عموماً جاری رہتا ہے۔ وہ مُردوں کو زندہ کرنیکا ہے۔ اب اس کے لئے ہمیں بائیبل کے دیگر حوالجات کو مدِ نظر رکھنا پڑیگا۔ اگر کوئی شخص بائیبل کے محاورہ کے خلاف معنے کرتا ہے۔ تو ہمارا حق ہے۔ کہ ہم اُسے غلط قرار دیں۔ کیونکہ بائیبل کی تفسیر خود اس سے ہو سکے تو یقیناً اُسے ترجیح ہوگی۔

اب آیئے ذرا معلوم کریں کہ بائیبل میں زندگی اور موت کا محاورہ کن کن معانی میں استعمال ہوا ہے۔

(ا) یسوع نے کہا "اگر تُو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ تو حکموں پر عمل کر۔" (متی باب ۱۹ آیت ۱۷)

(ب) ایک شخص نے کہا "اے اُستاد! مَیں کیا کروں کہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوں۔ اس نے اس سے کہا کہ توریت میں کیا لکھا ہے اس نے جواب میں کہا کہ خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اپنی ساری جان اپنی ساری عقل سے محبت رکھ اور اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ اس نے اس سے کہا تُو نے ٹھیک جواب دیا یہی کر تو تُو جیئے گا۔" (لوقا باب ۱۰ آیت ۲۵-۲۸)

(ج) ایک شخص کا لڑکا گم ہو گیا پھر مل گیا۔ تو اس نے کہا "میرا یہ بیٹا مُردہ تھا۔ اب زندہ ہُوا۔ کھویا ہُوا تھا اب ملا ہے۔" (لوقا باب ۱۵ آیت ۲۴)

(د) "ایک سردار کی بیٹی قریب الموت ہوئی" (مرقس باب ۵ آیت ۲۱-۲۵) "تو اس نے یسوع سے آ کر کہا کہ میری بیٹی مر گئی ہے۔" (متی باب ۹ آیت ۱۸) "اسی طرح ایک لڑکا مکان سے گر کر بے ہوش ہو گیا تو اسے مُردہ کہا گیا۔" (اعمال باب ۲۰ آیت ۹-۱۰)

(ھ) ہمیشہ خطرہ میں رہنے کو بھی موت قرار دیا ہے۔ چنانچہ پولوس کہتا ہے۔ ”میں ہر روز مرتا ہوں“۔ (۱ کرنتھیوں باب ۱۵ آیت ۳۲)

(و) جسمانی باتوں کے خیال میں لگے رہنے کو بھی بائیبل میں موت قرار دیا گیا ہے۔ پولوس رومیوں کو خط لکھتا ہے:۔ ”جو جسمانی ہیں وہ جسمانی باتوں کے خیال میں رہتے ہیں لیکن جو روحانی ہیں وہ روحانی باتوں کے خیال میں رہتے ہیں۔ اور جسمانی نیت موت ہے۔ اور روحانی نیت زندگی اور اطمینان ہے“۔ (رومیوں باب ۸ آیت ۵-۶)

(ز) جو گناہ کرتا ہے۔ بائیبل کے محاورہ کے مطابق وہ مرجاتا ہے۔ اور یسوع کو مانتا ہے۔ زندہ ہوجاتا ہے چنانچہ لکھا ہے۔ کہ ”خدا نے اپنے رحم کی دولت سے۔ اس بڑی محبت کے سبب جو اس نے ہم سے کی جب قصوروں کے سبب مُردہ ہی تھے تو ہم کو مسیح کے ساتھ زندہ کیا (تم کو فضل ہی سے نجات ملی) اور یسوع مسیح میں شامل کرکے اسکے ساتھ جِلایا (زندہ کیا) اور آسمانی مقاموں پر اس کے ساتھ بٹھایا“۔ (افسیوں باب ۲ آیت ۴-۶)

اس کی تشریح کرتے ہوئے پولوس رومیوں کو لکھتا ہے۔ کہ ”اگر مسیح تم میں ہے۔ تو بدن تو گناہ کے سبب سے مُردہ ہے۔ مگر رُوح راستبازی کے سبب سے زندہ ہے“ (رومیوں باب ۸ آیت ۱۰)

(ح) امید ہے۔ کہ احباب اس امر کی تکمیل کے لئے مندرجہ ذیل حوالجات کو بھی دیکھنا گوارا فرمائینگے۔

(یوحنا باب ۱ آیت ۱۲-۱۳) = (باب ۳ آیت ۱۶) = (باب ۴ آیت ۱۰) = (باب ۵ آیت ۲۴) = (باب ۶ آیت ۳۳-۳۴) (باب ۷ آیت ۳۸) = (باب ۱۲ آیت ۵۰) = (باب ۱۴ آیت ۶) = (باب ۱۷ آیت ۳) = (باب ۲۰ آیت ۳۱) = (رومیوں باب آیت ۱۷) = (باب ۶ آیت ۱۱) = (باب ۷ آیت ۹-۱۰) = (یعقوب باب ۱ آیت ۱۸) (۱ پطرس باب ۱ آیت ۲۳) = (۲ کرنتھیوں باب ۴ آیت ۱۰) = (گلتیوں باب ۲ آیت ۱۹-۲۰)

ان حوالجات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے زندگی کا لفظ دیکھ کر اس بات پر زور دینا کہ اس زندگی سے مراد صرف جسمانی زندگی ہے۔ غلط ہے۔

یسوع کے زمانہ میں صرف ایک شخص لعزر کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ اُسے مرنے کے بعد یسوع نے زندہ کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس کے متعلق (یوحنا باب ۱۱ آیت ۴۳-۴۴) میں لکھا ہے۔ کہ وہ مرگیا ہُوا تھا۔ اُس کے بعد یسوع نے اُسے زندہ کیا۔ مگر جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے۔ بائیبل میں ”مرنے“ کے کئی معنے ہیں اور یہاں بھی لعزر کے مرنے سے مراد اُس کی رُوح کا جسم سے الگ ہونا نہیں کیونکہ جو شخص مرجاتا ہے۔ وہ کبھی دُنیا میں واپس نہیں آسکتا چنانچہ بائیبل میں لکھا ہے (۱) کہ ”انسان مرکر پڑا رہتا ہے۔ بلکہ انسان دم چھوڑ دیتا ہے۔ تو پھر وہ کہاں رہا؟ جیسے جھیل کا پانی موقوف ہوجاتا اور دریا اُترتا اور سُوکھ جاتا ہے۔ ویسے ہی آدمی لیٹ جاتا ہے۔ اور اُٹھتا نہیں جبتک آسمان ٹل نہ جائے وہ بیدار نہ ہونگے اور نہ اپنی نیند سے جگائے جائینگے“۔ (ایوب باب ۱۴ آیت ۱۰-۱۲)

(۲) پھر لکھا ہے۔ کہ "زندہ جانتے ہیں کہ وہ مرینگے پر مُردے کچھ بھی نہیں جانتے اور انکے لئے اور کچھ اجر نہیں کیونکہ ان کی یاد جاتی رہی ہے۔ اب ان کی محبت و عداوت و حسد سب نیست ہو گئے اور تا ابد ان سب کاموں میں جو دُنیا میں کئے جاتے ہیں ان کا کوئی حصہ بخرہ نہیں" (واعظ باب ۹ آیت ۵-۶)

(۳) اسی لئے جب حضرت داؤد علیہ السلام کا لڑکا فوت ہوگیا تو آپ نے روزہ رکھنا بند کر دیا۔ لکھا ہے کہ "تب اس (داؤد) کے ملازموں نے کہا اس سے کہا یہ کیسا کام ہے۔ جو تُو نے کیا؟ جب وہ لڑکا جیتا تھا تو تُو نے اس کے لئے روزہ رکھا اور روتا بھی رہا اور جب وہ لڑکا مر گیا تو تُو نے اُٹھکر روٹی کھائی۔ اس نے کہا کہ جبتک وہ لڑکا زندہ تھا مَیں نے روزہ رکھا اور مَیں روتا رہا کیونکہ مَیں نے سوچا کہ جانے خداوند کو مجھ پر رحم آجائے کہ وہ لڑکا جیتا رہے۔ پر اب تو وہ مر گیا پس مَیں کس لئے روزہ رکھوں کیا مَیں اسے لوٹا سکتا ہوں۔ مَیں تو اسکے پاس جاؤنگا پر وہ میرے پاس نہیں لوٹنے کا" (۲ سموئیل باب ۱۲ آیت ۲۱-۲۳)

(۴) پھر لکھا ہے۔ کہ "ہم سب کو مرنا ہے۔ اور ہم زمین پر گرے ہوئے پانی کی طرح ہو جاتے ہیں جو پھر جمع نہیں ہو سکتا" (۲ سموئیل باب ۱۴ آیت ۱۴)

(۵) پولوس لکھتا ہے۔ "آدمیوں کیلئے ایک بار مرنا اور اسکے بعد عدالت (قیامت) کا ہونا مقرر ہے" (عبرانیوں باب ۹ آیت ۲۷)

(۶) پھر بائیبل کہتا ہے۔ کہ "انسان کے لئے اس سے بہتر کچھ نہیں کہ وہ اپنے کاروبار میں خوش رہے اسلئے کہ اس کا بخرہ یہی ہے۔ کیونکہ کون اسے واپس لائیگا کہ جو کچھ اسکے بعد ہوگا دیکھ لے" (واعظ باب ۳ آیت ۲۲)

(۷) پھر لکھا ہے کہ "آہ! یاد کر کہ میری زندگی ہوا ہے اور میری آنکھ سُکھ کو پھر نہ دیکھیگی جو مجھے اب دیکھتا ہے اسکی آنکھ مجھے پھر نہ دیکھیگی تیری آنکھیں تو مجھ پر ہونگی پر مَیں نہ ہونگا جیسے بادل پھٹ کر غائب ہو جاتا ہے۔ ویسے وہ قبر میں اترتا ہے۔ پھر کبھی اوپر نہیں آتا وہ اپنے گھر کو پھر نہ لوٹیگا نہ اسکی جگہ اسے پھر پہچانیگی" (ایوب باب ۷ آیت ۷-۱۰)

(۸) پھر لکھا ہے۔ "اور مجھے چھوڑ دے تا کہ مَیں کچھ راحت پاؤں اس سے پہلے کہ مَیں وہاں جاؤں جہاں سے پھر نہ لوٹونگا یعنی تاریکی اور موت کے سایہ کی سرزمین کو۔ گہری تاریکی کی سرزمین کو جو خود تاریکی ہے۔ موت کے سایہ کی سرزمین جو خود بے ترتیب ہے۔ اور جہاں روشنی بھی ایسی ہے۔ جیسے تاریکی" (ایوب باب ۱۰ آیت ۲۰-۲۲)

ان حوالجات سے ظاہر و باہر ہے۔ کہ جو شخص مر جاتا ہے۔ وہ نہ لوٹ سکتا ہے۔ اور نہ ہی دنیا میں اُسے کوئی لوٹا سکتا ہے اللہ تعالیٰ بے شک قادر ہے۔ مگر وہ اپنے قانون اور کلام کے خلاف کام کر کے اُسے باطل نہیں ٹھیراتا۔ پس وہ کبھی مُردوں کو دنیا میں نہیں لوٹاتا۔

اس قانون کے پیش نظر ہمیں مجبوراً اس امر کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ لعزر کی زندگی جو یسوع کے ہاتھوں ظہور میں آئی وہ جسمانی زندگی نہ تھی بلکہ روحانی زندگی تھی یا پھر ایسے مرض سے اُسے شفا دی گئی جس نے اسے موت کے قریب پہنچا دیا تھا۔ اور اسکی صحت گویا اسکے لئے ایک نئی زندگی تھی۔

اگر ہم خود یوحنا کی انجیل میں ہی غور کریں تو اس امر کے تسلیم کرنے میں ہمیں کوئی تامّل نہیں رہتا۔ کیونکہ جب یسوع نے اپنے شاگردوں کو کہا کہ آؤ ہم لعزر کے پاس جو مر چکا ہے۔ چلیں تو اسوقت "توما نے جسے توام کہتے تھے اپنے ساتھ کے شاگردوں سے کہا کہ آؤ ہم بھی چلیں تاکہ اُس کے ساتھ مریں" (یوحنّا باب ۱۱ آیت ۱۶)

اب کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ یسوع تو اسلئے لعزر کے پاس جا رہا ہے۔ کہ اُسے زندگی بخشے مگر شاگرد یہ کہہ رہے ہیں کہ آؤ ہم بھی لعزر کے ساتھ چلکر مریں۔ اس کے ساتھ ہی اگر یسوع کے مُنہ سے نکلی ہوئی ایک دو باتوں کو ملحوظ رکھ لیا جائے تو بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ یسوع کہتا ہے۔ کہ "مَیں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ وقت آتا ہے۔ بلکہ ابھی ہے کہ مُردے خدا کے بیٹے کی آواز سُنیں گے اور جو سُنیں گے وہ جیئیں گے" (یوحنّا باب ۵۔ آیت ۲۵)

اگر یسوع کی آواز میں ایسی قوّت و طاقت بھری ہوئی تھی۔ جس سے جسمانی مُردے زندہ ہوں تو چاہیئے تھا۔ کہ سب مُردے زندہ ہو جاتے اور جو زندہ تھے وہ کبھی نہ مرتے۔ مگر آواز کا اثر اُلٹا ہوتا چلا گیا اور آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ یسوع جو دوسروں کو زندگی بخشنے کا دعویدار تھا اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا اور تین دن تک لعنت میں گرفتار رہا (گلتیوں باب ۳ آیت ۱۳)

پس لعزر کے متعلق بھی ہرگز یہ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ کہ وہ واقعی مر چکا تھا۔ بلکہ زیادہ سے یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ یا تو وہ مرضِ مہلک سے صحت یاب ہُوا یا اُسکے ایمان میں خلل واقع ہُوا جس کی یسوع نے اصلاح کی۔

ممکن ہے۔ کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو۔ کہ لعزر کے متعلق تو صاف طور پر یہ لکھا ہے۔ کہ وہ قبر سے نکالا گیا۔ جو اس امر کی قوی دلیل ہے۔ کہ وہ جسمانی موت مرا اور اسکے بعد پھر یسوع نے اُسے زندہ کیا۔

سو اسکے متعلق یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ خستہ حال لوگوں کے متعلق بھی بائیبل اس محاورہ کو استعمال کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ وہ لوگ قبروں سے نکالے گئے۔ چنانچہ لکھّا ہے:-

(۱) "تیرے مُردے جی اُٹھینگے۔ میری لاشیں اُٹھ کھڑی ہونگی تم جو خاک میں جا بسے ہو جاگو اور گاؤ"۔ (یسعیاہ باب ۲۶ آیت ۱۹)

(۲) پھر ایک دوسری جگہ لکھا ہے۔ "اے آدم زاد! یہ ہڈیاں تمام بنی اسرائیل ہیں۔ دیکھ یہ کہتے ہیں ہماری ہڈیاں سُوکھ گئیں اور امید جاتی رہی۔ ہم تو بالکل فنا ہو گئے اسلئے تُو نبوّت کر اور ان سے کہ خداوند خدا یوں فرماتا ہے۔ کہ اے میرے لوگو! دیکھو مَیں تمھاری قبروں کو کھولونگا اور تم کو ان سے باہر نکالونگا" (حزقیل باب ۳۷ آیت ۱۱-۱۲)

پس معجزات یسوع کے پرکھنے کا ایک عمدہ طریق یہ بھی ہے۔ کہ بائیبل سے اس محاورہ کے معنے تلاش کئے جائیں جس میں کہ اُس معجزہ کو بیان کیا گیا ہو۔

(۵)

معجزات یسوع کی تحقیق میں ایک اور امر کو زیر نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ کہ جب یسوع کسی شخص کو

شفا دیتے تو اس میں یا تو اپنے ہاتھوں کو استعمال کرتے یا اپنی نظر سے کام لیتے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ :-

(۱) "جب وہ پہاڑ سے اترا تو بہت سی بھیڑ اسکے پیچھے ہولی اور دیکھو ایک کوڑھی نے پاس آکر اُسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند! اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اُسے چھوا اور کہا میں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہو جا وہ فوراً کوڑھ سے پاک صاف ہو گیا۔" (متی باب ۸ آیت ۱-۳)

(۲) پھر متی کہتا ہے۔ کہ "یسوع نے پطرس کے گھر میں آکر اسکی ساس کو تپ میں پڑا دیکھا اُس نے اُس کا ہاتھ چھُوا اور تب اُس پر سے اُتر گئی اور وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور اسکی خدمت کرنے لگی" (متی باب ۸ آیت ۱۴-۱۵)

(۳) ایکدفعہ ایک اندھا المعنی کمزور بینائی والا یسوع کو ملا۔ اس نے اسکی آنکھوں پر ہاتھ رکھا اور اُسے اچھا کیا۔ (مرقس باب ۱۰ آیت ۴۶-۵۲) اور متی باب ۲۰ آیت ۳۴) : (باب ۹ آیت ۲۹) وغیرہ

(۴) پھر کبھی کبھی وہ اپنی تھوک اور مٹی ملا کر بطور دوا استعمال کرتا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے۔ "جس نے مجھے بھیجا ہے ہمیں اس کے کام دن ہی دن کرنے ضرور ہیں وہ رات آنیوالی ہے۔ جس میں کوئی شخص کام نہیں کر سکتا جب تک میں دنیا میں ہوں دنیا کا نور ہوں یہ کہکر اس نے زمین پر تھوکا اور تھوک سے مٹی سانی اور وہ مٹی اندھے کی آنکھوں پر لگائی۔ (یوحنا باب ۹ آیت ۴-۶)

(۵) پھر لکھا ہے۔ کہ "پھر وہ بیت صیدا میں آئے اور لوگ ایک اندھے کو اس کے پاس لائے اور اس کی منت کی کہ اُسے چھُوئے وہ اس اندھے کا ہاتھ پکڑ کر اُسے گاؤں سے باہر لے گیا اور اس کی آنکھوں میں تھوک کر اپنے ہاتھ اس پر رکھے اور اس سے پوچھا کیا تو کچھ دیکھتا ہے اس نے نظر اُٹھا کر کہا میں آدمیوں کو دیکھتا ہوں کیونکہ وہ مجھے چلتے ہوئے ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے درخت۔ پھر اس نے دوبارہ اسکی آنکھوں پر ہاتھ رکھے۔ اور اس نے غور سے نظر کی اور اچھا ہو گیا۔" (مرقس باب ۸ آیت ۲۲-۲۵)

(۶) پھر اسی انجیل میں لکھا ہے۔ کہ ایک بہرا یسوع کے پاس آیا تو اُسے بھی کان میں تھوک کے شفا دی عبارت یوں ہے: "اور لوگوں نے ایک بہرے کو جو ہکلا بھی تھا اس کے پاس لا کر اس کی منت کی کہ اپنا ہاتھ اس پر رکھ وہ اس کو بھیڑ میں سے الگ لے گیا۔ اور اپنی اُنگلیاں اسکے کانوں میں ڈالیں اور تھوک اسکی زبان چھوئی اور آسمان کی طرف نظر کر کے ایک آہ بھری اور اس سے کہا افتح یعنی کھُل جا اور اسکے کان کھُل گئے اور اسکی زبان کی گرہ کھُل گئی۔" (مرقس باب ۷ آیت ۳۲-۳۵) وغیرہ

ان واقعات سے یہ بات صراحتاً یا یہ ثبوت پہنچتی ہے۔ کہ یسوع مسمریزم (علم توجہ) جو اسوقت اس ملک میں عام طور سے رائج تھا استعمال کرتا تھا تبھی تو وہ اپنے ہاتھ اور لوگوں پر ڈالتا۔ تب انہیں شفا ہوتی۔ اگر وہ صرف دعا سے کام لیتا ہوتا تو اسے ہاتھ ڈالنے یا تھوک اور مٹی وغیرہ استعمال کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ میں علم مسمریزم کی بعض باتیں جو اس موضوع سے تعلق رکھتی ہیں

بیان کردوں۔ تاکہ قارئین پر یہ بات واضح ہو جائے۔ کہ یسوع واقعی مسمریزم کے ذریعہ لوگوں کو چنگا کیا کرتا تھا۔

De Djoeghi نے علم مسمریزم کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے، جس کا ڈچ زبان میں (Persoonlijk Magnetisme) نام ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ

Wij hebben de handen tot de meest geshikte plaat-sen voor magnetische uitstraling gerekend

یعنی ہمارے نزدیک ہاتھ ایک آلہ ہے جسے مسمریزم کے استعمال کرنے میں ایک بڑا دخل ہے۔ پھر لکھتا ہے۔

De volken van alle lijden heben groote waarde toegekend aan de hand. Men geloofde aan de genezing van zieken door handoplegging"

یعنی جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے۔ تب سے ہر ایک قوم ہاتھ کی طاقت کی قدر کرتی آئی ہے۔ لوگ اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں اور کرتے ہیں کہ بیمار آدمی کو اس پر ہاتھ رکھ کر اچھا کیا جا سکتا ہے۔ (کتاب مذکور صفحہ ۱)

پھر وہ آنکھ کے متعلق بحث کرتا ہوا لکھتا ہے۔ The macht van het oog is altijd heel groot geweest" یعنی آنکھ کی قوت ایک مسلّمہ چیز ہے۔ (کتاب مذکور صفحہ ۸۱)

جب Baron du Potet ایک مشہور فرانسیسی شخص نے L Rheims ہسپتال میں ایک پاگل عورت کو علم مسمریزم کے ذریعہ چنگا کیا تو وہاں کے ایک ڈاکٹر نے اسے کہا کہ آپ تو Mijnheer! gij hebt de macht van Christus یسوع کی سی طاقت کے مالک ہیں۔ مگر اُس نے جواب میں ڈاکٹر مذکور کو کہا کہ ہرگز نہیں مجھے یسوع کی سی طاقت کہاں حاصل؟ (کتاب مذکور صفحہ ۸)

اس توضیح سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یسوع بھی علم مسمریزم کے ذریعہ بیماروں کو چنگا کیا کرتا تھا۔

(۶)

چھٹا امر جسے معجزات یسوع کی تحقیقات میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا یہ ہے۔ کہ یسوع کے وقت ایک عجیب و غریب حوض بھی اس ملک میں موجود تھا۔ جس کے پانی سے مریض لوگ فائدہ اٹھاتے اور شفا

پاتے تھے۔ چنانچہ اپنی کتاب میں اس کا ذکر کرتا ہوا یوں لکھتا ہے۔ کہ:۔

"اور یروشلم میں بھیڑ دروازہ کے پاس ایک حوض ہے۔ جو عبرانی میں بیت حسدا کہلاتا ہے اس کے پانچ اسارے ہیں ان میں ناتوانوں اور اندھوں اور لنگڑوں اور پژمردوں کی ایک بڑی بھیڑ پڑی تھی جو پانی کے ہلنے کی منتظر تھی کیونکہ ایک فرشتہ بعضے وقت اس حوض میں اتر کے پانی کو ہلاتا تھا اور پانی کے ہلنے کے بعد جو کوئی کہ پہلے اس میں اترتا کیسی ہی بیماری میں گرفتار ہوا ہو اس سے چنگا ہو جاتا تھا" (یوحنا باب ۵ آیت ۲-۴)

پس یہ عجیب و غریب حوض جس سے لوگوں کو شفا ہو جاتی تھی جو ہر وقت لوگوں کا مرجع بنا رہتا تھا۔ اور کئی بیمار اور خطرناک بیمار وہاں آکر شفا پاتے تھے۔ یسوع کی نظروں سے بھی اوجھل نہ تھا۔ آپ نے جب موقع پایا اس سے بھی فائدہ اٹھانیکی کوشش کی۔ چنانچہ یہی یوحنا حواری ذکر کرتا ہے۔ کہ ایک دفعہ ایک بیمار یسوع کے پاس آیا تو اس نے مٹی وغیرہ اسکی آنکھوں پر لگا کر اسے کہا کہ جاؤ اس حوض میں جا کر نہا آؤ۔ چنانچہ وہ وہاں گیا اور نہانے پر کسے بینائی حاصل ہو گئی۔ یوحنا کے اپنے الفاظ یوں ہیں کہ:۔

"پھر اس نے جاتے ہوئے ایک شخص کو دیکھا جو جنم کا اندھا تھا۔۔۔ اس نے زمین پر تھوکا اور تھوک سے مٹی سانی اور وہ مٹی اندھے کی آنکھوں پر لگا کر اس سے کہا جا شیلوخ کے حوض میں دھولے (جسکا ترجمہ بھیجا ہوا ہے) پس اس نے جا کر دھویا اور بینا ہو کر واپس آیا۔۔۔ پھر فریسیوں نے بھی اس سے پوچھا تو کس طرح بینا ہوا۔ اس نے ان سے کہا کہ اس (یسوع) نے میری آنکھوں پر مٹی لگائی پھر میں نے (حوض پر) دھولیا اور بینا ہوا"۔ (یوحنا باب ۹ آیت ۶-۷ و ۱۵)

اس حوض کا معلوم ہوتا ہے معجزات یسوع میں بہت دخل تھا۔ اسی لئے جب غیر مذاہب نے عیسائیوں پر اس قسم کا اعتراض کرنا شروع کیا تو انہوں نے انجیل سے حوض کا قصہ ہی حذف کر دیا۔ چنانچہ اوپر کا حوالہ تو میں نے انجیل مطبوعہ ۱۸۹۵ء سے نقل کیا ہے۔ مگر بعد کی اناجیل سے وہ قصہ اڑا دیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے (جیسا کہ ثابت ہو بھی چکا ہے) کہ یسوع اس صحت بخش حوض کے پانی کو استعمال کرتا تھا۔ تو اسکے معجزات کی قدر بہت ہی گر جاتی ہے ؞

(۷)

ایک اور امر جسے میں اس سلسلہ میں قابل ذکر سمجھتا ہوں وہ یہ ہے۔ کہ مسیح کے معجزات میں دوا وغیرہ کا بھی دخل ہے۔ اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

(۱) متی لکھتا ہے۔ کہ "پھر اس نے اپنے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کر انہیں ناپاک روحوں پر اختیار بخشا کہ ان کو نکالیں اور ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دور کریں" (متی باب ۱۰ آیت ۱)

(۲) لوقا لکھتا ہے۔ "پھر اس نے ان بارہ کو بلا کر انہیں سب روحوں پر اور بیماریوں کو دور کرنیکے لئے قدرت اور اختیار بخشا اور انہیں خدا کی بادشاہت کی منادی کرنے اور بیماروں کو اچھا کرنے کیلئے بھیجا" (لوقا باب ۹ آیت ۱-۲)

ان دونو حوالوں میں صرف اس امر کو ذکر کیا گیا ہے۔ کہ یسوع نے اپنے شاگردوں کو بدروحیں نکالنے اور بیماریوں، کمزوریوں کو دور کرنے کا اختیار اور قدرت بخشی۔ مگر اس میں یہ قطعاً ذکر نہیں کہ آیا یسوع نے انہیں کوئی چیز بھی استعمال کرنیکے لئے دی تھی کہ نہیں۔ مگر مرقس اس عجیب بات کو بیان کرتا ہوا اس راز کا انکشاف کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے۔ کہ "اور انہوں (حواریوں) نے روانہ ہو کر منادی کی کہ توبہ کرو اور بہت سی بدروحوں کو نکالا۔ اور بہت بیماریوں کو **تیل مل کر** اچھا کیا" (مرقس باب ۶ آیت ۱۲-۱۳)

اس ورس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یسوع نے انہیں ایک قسم کا تیل دیا تھا تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے بیماریوں کو دور کریں۔ اگر یسوع نے انہیں یہ تیل نہ دیا ہوتا۔ بلکہ صرف قدرت اور اختیار بخشا ہوتا تو یقیناً شاگردوں کا اس قدرت اور اختیار کے ہوئے استعمال کرنا ایک لغو اور فضول بات تھی۔ مگر ایسا گمان کرنا ایک بلا ثبوت بات ہے۔ اسلئے ہمیں مجبوراً یہی تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ یسوع نے کوئی اچھا تیل طیار کیا ہوا تھا جس سے عام جوڑوں اور چوٹوں کے درد اچھے ہو سکتے تھے۔ اور اگر وہ زیادہ اچھا یا وسیع الاثر تھا تو یہاں تک بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ تمام بدنی چوٹوں یا زخموں کا علاج تھا۔ جسے یسوع کے شاگرد استعمال کرکے لوگوں کو اچھا کرتے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بھی ایک قابل تعریف بات ہے۔ کہ کوئی ایسی دوائی تلاش یا ایجاد کرلیجائے جو زخموں اور چوٹوں کے درست کرنے میں سریع الاثر ہو۔ مگر اس صورت میں یسوع ایک لائق یا ہوشیار طبیب کہلا سکتا ہے۔ اُسکے اس علاج کو معجزہ قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔

یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ جب ہم انجیل میں یہ بھی لکھا موجود پاتے ہیں۔ کہ باوجودیکہ یسوع نے انہیں بیماریوں اور کمزوریوں کو دور کرنے کی قدرت بخشی پھر بھی وہ کئی بیماروں کو اچھا نہ کر سکتے تھے۔ اگر اس تیل کا بیماریوں کے اچھا کرنے میں کوئی اثر نہ ہوتا۔ یا بالفاظ دیگر انکی وہ قدرت اور اختیار جو یسوع نے انہیں دیا تھا۔ بیماریوں کے دور کرنے میں کافی ہوتا۔ تو یقیناً وہ کئی بیماروں کے درست کرنے میں ناکام نہ رہتے۔ انجیل کا بیان ہے۔ کہ:-

"اور جب وہ (یسوع) بھیڑ کے پاس آیا تو ایک آدمی اسکے پاس پہنچا اور اسکے آگے گھٹنے ٹیک کر کہنے لگا۔ اے خداوند میرے بیٹے پر رحم کر۔ کیونکہ اسکو مرگی آتی ہے۔ اور بہت دکھ اٹھاتا ہے۔ اسلئے وہ اکثر آگ میں گر پڑتا ہے۔ اور پانی میں بھی اور میں اسکو تیرے شاگردوں کے پاس لایا تھا۔ مگر وہ اسے اچھا نہ کر سکے" (متی باب ۱۷ آیت ۱۴-۱۶) اور (مرقس باب ۹ آیت ۱۴-۱۸)

پس عیسائیوں کا یسوع کے معجزات کو محض قدرت قرار دینا اور یہ کہنا کہ ان میں اسباب کا دخل نہیں غلط ہے۔

جیساکہ اس دلیل سے ثابت ہے۔ یسوع تیل استعمال کرتا اور اپنے شاگردوں کو بھی استعمال کرنیکے لئے دیتا تھا ؛

(۸)

ایک اور امر بھی یسوع کے معجزات کی حقیقت کو منکشف کرتا ہے۔

(۱) یسوع کہتا ہے۔ کہ "مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر ایمان رکھو اور شک نہ کرو، تو نہ صرف وہ کرو گے جو انجیر کے درخت کے ساتھ ہُوا (کیونکہ وہ یسوع کے لعنت ڈالنے کی وجہ سے خشک ہو گیا تھا) بلکہ اگر اس پہاڑ سے بھی کہو گے کہ تُو اُکھڑ جا اور سمندر میں جا پڑ تو یہ ہو جائیگا۔ اور جو کچھ دعا میں ایمان کے ساتھ مانگو گے وہ سب تمھیں ملیگا" (متی باب ۲۱ آیت ۲۱)

(۲) "مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو کوئی اس پہاڑ سے کہے تُو اُکھڑ جا اور سمندر میں جا پڑ اور اپنے دل میں شک نہ کرے بلکہ یقین کرے کہ جو کہتا ہے۔ وہ ہو جائیگا تو اسکے لئے وہی ہوگا" (مرقس باب ۱۱ آیت ۲۳)

(۳) یسوع اپنے شاگردوں کو کہتا ہے۔ کہ "مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اس پہاڑ سے کہہ سکو گے کہ اس جگہ سے سرک کر وہاں چلا جا اور وہ چلا جائیگا اور کوئی بات تمہارے لئے ناممکن نہ ہوگی" (متی باب ۱۷ آیت ۲۰) اور (لوقا باب ۱۷ آیت ۶)

(۴) یسوع ایمانداروں کی نشانیاں بتاتا ہے۔ کہ "ایمانداروں کے درمیان یہ معجزے ہونگے۔ وہ میرے نام سے بدروحوں کو نکالینگے نئی نئی زبانیں بولینگے۔ سانپوں کو اُٹھا لینگے اور اگر کوئی ہلاک کرنیوالی چیز پیئینگے تو اُنہیں ضرر نہ پہنچیگا وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو اچھے ہو جائینگے" (مرقس باب ۱۶ آیت ۱۷-۱۸)

(۵) پھر یسوع ایک بہت بڑا اعلان کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ "مَیں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو مَیں کرتا ہوں وہ بھی کریگا بلکہ ان سے بڑے کام کریگا کیونکہ مَیں باپ کے پاس جاتا ہوں اور جو کچھ تم میرے نام سے چاہو گے مَیں وہی کرونگا تاکہ باپ بیٹے میں جلال پائے" (یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۲)

ان عبارات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دُعا کرنیوالا خدا سے خالی ہاتھ واپس نہیں ہوتا اور کہ ایمانداروں کے ہاتھ پر بڑے بڑے معجزات ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اگر کسی عیسائی کے دل میں یسوع پر پختہ ایمان ہو۔ تو وہ وہ کچھ بھی دکھا سکتا ہے۔ جو یسوع نہ دکھا سکا۔

اس معیار پر ہم عیسائی صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم میں کوئی ہے۔ کہ جو یسوع سے معجزات دکھانے کا دعویدار ہو۔ اگر کوئی نہیں اور یقیناً کوئی نہیں تو اس سے دو باتوں میں سے ایک ضرور ثابت ہوتی ہے۔ یا تو یہ کہ عیسائیوں میں سے کسی کو بھی یسوع پر ایمان نہیں۔ اور یا پھر یہ ماننا پڑیگا کہ ایمانداروں کے ہاتھ پر مجھ سے یا مجھ سے بڑھکر معجزات کا ظہور ہوگا۔ غلط ہے ؛ اگر دوسری بات کو مان لیا جائے اور عقل بھی اسے ہی ترجیح دیتی ہے۔ تو پھر آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یسوع کے معجزات کی کیا حقیقت تھی۔ یعنی یسوع کہتا ہے۔ کہ ایماندار مجھ سے بڑھ کر معجزات دکھائینگے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان سے کوئی معجزہ صادر نہیں ہوتا۔ جو اس بات کا یقینی ثبوت ہے۔ کہ یسوع کے معجزات کوئی ایسی قابل توجہ چیز نہیں۔ وہ خود کہتا ہے۔ کہ یہ بدکار لوگ مجھ سے نشان طلب کرتے ہیں اُنہیں سوائے یونس نبی کے نشان کے اور کوئی نشان نہ دکھایا جائیگا۔ (متی باب ۱۲ آیت ۳۹)

مَیں نے یہ چند اصول بیان کر دیئے جن سے بآسانی علم ہو سکتا ہے۔ کہ یسوع کے معجزات کی کیا حقیقت ہے اور انہیں اُلوہیت کی بنیاد قرار دینا کیسی

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم ہر ایک بات کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔ اللّٰھم آمین خاکسار محمد صادق حنفی۔ قادیان

(اللہ بخش سٹیم قادیان میں بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر نے چھاپکر قادیان سے مالکان کے لئے شائع کیا)